فضائل القرآن

(۲)

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

فضائل القرآن

(نمبر۲)

قرآن کریم کی کتب سابقہ پر افضلیت کے عقلی اور نقلی شواہد

(فرمودہ ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء بر موقع جلسہ سالانہ قادیان)

تشہد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے سورۃ نور کی ان آیات کی تلاوت فرمائی۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ- يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِیْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ يَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ- فِیْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ- رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ- لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔[1]

اس کے بعد فرمایا:۔

اسلام کا مغز اور اس کی جان یہ مضمون جس کے متعلق میں اس وقت کچھ بیان کرنے لگا ہوں نہایت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اور در حقیت یہ اسلام کا

مغز اور اس کی جان ہے۔ اور دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اسے پورے غور اور توجہ کے ساتھ سنیں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ یہ مضمون فضائل قرآن کریم کے متعلق ہے۔ یعنی قرآن کریم میں وہ کونسی خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے دوسرے مذاہب کی کتابوں پر اسے فضیلت دی جا سکتی ہے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ قرآن کریم پر ہمارے مذہب کا دارومدار ہے۔ اگر خدانخواستہ قرآن کریم میں ہی کوئی نقص ثابت ہو جائے یا اس میں غیر معمولی خوبیاں ثابت نہ ہوں تو اسلام کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ پس یہ ایک نہایت ہی نازک مسئلہ ہے جس پر حملہ کرنے سے اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچ سکتا ہے۔

میں رسول کریم ﷺ کو قرآن کریم سے باہر نہیں سمجھتا۔ آپ بھی قرآن کا جزو ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ۔ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ۔** [۲] یعنی یہ قرآن یقیناً ربّ العالمین خدا کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔ یہ قرآن رُوحُ الْاَمِیْن لے کر تیرے دل پر نازل ہوا ہے تاکہ تُو انذار کرنے والوں کی مقدس جماعت میں شامل ہو جائے۔ پس ایک قرآن لفظوں میں نازل ہوا ہے اور ایک قرآن رسول کریم ﷺ کے قلبِ مطہّر پر نازل ہوا ہے۔ اس وجہ سے رسول کریم ﷺ پر کوئی حملہ درحقیقت قرآن کریم پر ہی حملہ ہوگا۔

تمام ادیان اور کتب الہامیہ پر قرآن کریم کی فضیلت

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن کریم ساری دنیا کے لئے اور سارے زمانوں کیلئے ہے۔ اب اگر قرآن کریم ساری دنیا اور سارے زمانوں کیلئے ہے تو ہماری اس کے متعلق ذمہ داری بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ قرآن کریم صرف عرب کیلئے ہوتا اور صرف ایک زمانہ کے مفاسد دور کرنے کے لئے آتا۔ عربوں کے پاس کوئی شریعت نہ تھی کوئی مذہبی کتاب نہ تھی۔ وہ خیالی باتوں پر یا قومی رسم و رواج پر عمل کرتے تھے۔ ان کے متعلق ہمارے لئے صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ عرب چونکہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا تھے قرآن کریم نے انہیں ان برائیوں سے روک دیا اس وجہ سے اس کی ضرورت تھی۔ پس اگر عرب ہی کے لئے قرآن ہوتا تو قرآن کی فضیلت اور برتری ثابت کرنے میں کوئی دقت نہ تھی۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم ساری دنیا کیلئے آیا ہے اور یہودی، مسیحی، ہندو، پارسی وغیرہ سب اس کے مخاطب ہیں اور تمام دوسری کتابیں

جن کو الہامی درجہ دیا جاتا ہے یا وہ کتابیں جن کا پتہ آثار قدیمہ سے لگا ہے ان سب سے افضل ہے۔ اس وجہ سے ہمارے لئے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ قرآن کریم میں ایسی خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے یہ پہلی تمام کتابوں پر مقدم اور ان سے افضل ہے۔ قرآن کریم میں ایسی خوبیاں ہیں جو تورات میں نہیں۔ قرآن کریم میں ایسی خوبیاں ہیں جو پرانے صحیفوں میں نہیں۔ قرآن کریم میں ایسی خوبیاں ہیں جو اناجیل میں نہیں۔ قرآن کریم میں ایسی خوبیاں ہیں جو ویدوں میں نہیں۔ اور قرآن کریم میں ایسی خوبیاں ہیں جو زرتشت وغیرہ کی کتابوں میں بھی نہیں۔

قرآن کریم ایک روحانی خزانہ ہے

پھر قرآن کریم کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے ہمیں یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ قرآن کریم میں وہ روحانی خزانہ ہے جس کے بغیر دنیا میں ہم گذارہ نہیں کرسکتے۔ صرف دوسری الہامی کتب کے مقابلہ میں زیادتی ثابت کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ یہ ثابت کرنا بھی ضروری ہے کہ قرآن کریم نے جو چیز پیش کی ہے اس سے ایسی نئی سہولتیں بہم پہنچی ہیں جو پہلے حاصل نہ تھیں۔ جب دو چیزیں صفات کے لحاظ سے برابر ہوں تو ایک کی ظاہری خوبی بھی دوسری پر فضیلت تسلیم کی جا سکتی ہے۔ جیسے دو آم ایک ہی طرح میٹھے ہوں مگر ان میں سے ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو تو بڑے کو چھوٹے پر بڑائی کی فضیلت حاصل ہوگی۔ لیکن قرآن کریم کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ یہ ساری دنیا کیلئے اور تمام زمانوں کے لئے ہے۔ اب اس کے بعد کوئی شرعی کتاب نہیں آ سکتی۔ اس لئے ہمیں ساری قوموں' سارے مذاہب اور سارے علوم کے مقابلہ میں قرآن کریم کی فضیلت ثابت کرنی ہوگی۔ جو کتاب یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ سب سے آخری الہامی کتاب ہے' جیسے قرآن کہتا ہے' اس کی ذمہ داری پہلی تمام کتب سے بالا خوبیاں پیش کرنے کی ہے۔ پہلی کتابوں کو منسوخ کرنے کا دعویٰ کرنے والی کتاب کا فرض صرف یہ ہے کہ وہ اتنا ثابت کر دے کہ پہلی کتابوں سے زیادہ اس میں خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن وہ کتاب جو یہ کہے کہ میرے بعد کوئی شرعی کتاب نہیں آسکتی اور میں اب ہمیشہ کے لئے مکمل کتاب ہوں اس کے لئے یہی کافی نہیں کہ وہ پہلی کتابوں سے بڑھ کر خوبیاں پیش کرے بلکہ یہ ثابت کرنا بھی اس کے لئے ضروری ہے کہ آئندہ روحانیت کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں آسکتی جو اس میں نہ ہو۔ پس وہ کتاب جو صرف یہ نہ کہے کہ میں پہلی کتب کو منسوخ کرتی ہوں بلکہ یہ بھی کہے کہ

آئندہ کے لئے بھی سب الہامی کتابوں کا دروازہ بند کرتی ہوں' اس کے لئے ضروری ہے کہ اس بات کے قطعی ثبوت پیش کرے کہ آئندہ بھی کوئی ایسی کتاب نازل نہیں ہو سکتی۔

پس قرآن کریم کی افضلیت ثابت کرنے کیلئے یہ معیار نہایت ضروری ہے۔ ہاں علاوہ اس اصولی بحث کے تفصیلی بحث بھی کی جاسکتی ہے کہ فلاں فلاں خوبی قرآن کریم میں ہے جو اور کسی کتاب میں نہیں ہے مگر اصولی طور پر بحث کرنا بھی ضروری ہو گا۔

جب ہم قرآن کریم میں خوبیوں کی کثرت ثابت کر دیں مثلاً یہ کہیں کہ فلاں فلاں خوبیاں وید' بائیبل اور ژَند اَوِسْتَا میں بھی پائی جاتی ہیں اور قرآن میں بھی ہیں مگر یہ چار یا دس بیس خوبیاں ایسی ہیں جو صرف قرآن میں پائی جاتی ہیں تو اس سے بھی قرآن کریم کی فضیلت ثابت ہوگی۔ مگر اس سے قرآن کریم کا اکمل ہونا ثابت نہ ہو گا اور یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچے گی کہ آئندہ کوئی اور شرعی کتاب نہیں آسکتی۔ اس طرح قرآن کریم صرف موجودہ کتب کے مقابلہ میں افضل ثابت ہو سکتا۔

تمام وجوہِ کمال میں افضل کتاب

غرض سب کے آخر اور سب سے افضل ہونے کا دعویٰ کرنے والی کتاب کیلئے نہ صرف یہ ضروری ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ اس کے اندر وہ کچھ ہے جو دوسری کتب میں نہیں ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ یہ بھی ثابت کرے کہ جو کچھ اس میں ہے وہ دوسری کتب میں ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک وہ یہ ثابت نہ کرے اس وقت تک صرف اچھی باتیں بتانے سے اس کی افضلیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ ہاں افضلیت چونکہ صرف اعلیٰ خوبیوں کے لحاظ سے نہیں ہوتی بلکہ وسیع خوبیوں کے لحاظ سے بھی ہوتی ہے۔ اس لئے خوبیوں کی وسعت اس غرض کے اثبات کیلئے پیش کی جاسکتی ہے کہ گو بعض خوبیاں کسی اور کتاب میں بھی پائی جاتی ہوں مگر خوبیوں کی وسعت کے لحاظ سے فلاں کتاب افضل ہے۔ ہاں کامل افضل کتاب وہ کہلائے گی جو تمام وجوہِ کمال میں افضل ثابت ہو۔ اور میرا قرآن کریم کے متعلق یہی دعویٰ ہے۔

جواہرات کی کان

ممکن ہے کوئی کہے کہ کیا پہلے لوگوں کو قرآن کریم کے ان فضائل کا علم نہ تھا؟ سو یاد رکھنا چاہئے کہ علم تھا مگر روحانی علوم خدا تعالیٰ کے فضل سے روزانہ ترقی کرتے ہیں۔ اور جب ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہمارے پاس قرآن کریم جواہرات کی ایک کان ہے جس میں سے نئے سے نئے جواہر نکلتے رہتے ہیں تو پھر کیوں ہم انہی جواہرات پر

اکتفاء کریں جو پہلے لوگ حاصل کر چکے ہیں۔ اور کیوں قرآنی کان میں سے ہم نئے ہیرے اور جواہرات نہ نکالیں۔ پس میں قرآن کریم کے خزانہ میں گیا کیونکہ پہلے میں وہاں سے کئی بار لعل و جواہر نکال چکا تھا' اور پھر اپنے دامن کو بھر کرلایا۔ جب میں اس خزانہ میں قرآن کریم کی خوبیاں معلوم کرنے کیلئے گیا تو مجھے ایک عجیب بات سوجھی۔ اور وہ یہ کہ بجائے اس کے کہ اس خزانہ میں مَیں اندھادھند ہاتھ ماروں اور جو چیز میرے ہاتھ میں آئے اُسے اٹھالوں حالانکہ ممکن ہے اس سے بہتر چیز وہاں موجود ہو اور میں اسے نہ اٹھاسکوں اس لئے کیوں نہ میں اصولی طور پر غور کروں کہ مجھے کیا لینا چاہئے۔ تب مجھے خیال آیا کہ کسی کتاب کی فضیلت اور اکملیت ثابت کرنے کیلئے یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اس کے مضامین پر غور کریں اور اس طرح اس کی کوئی خوبی معلوم کریں بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ کسی چیز کو دوسری چیز پر فضیلت کیوں حاصل ہوتی ہے۔

پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ جو فضیلت کے معیار ہیں اور جن کی وجہ سے کسی کو فضیلت دی جاتی ہے وہ کس قدر قرآن میں پائے جاتے ہیں۔

قرآنی فضیلت کے چھبیس (۲۶) وجوہ

جب میں نے اس رنگ میں غور کیا تو قرآن کریم کا سمندر میری آنکھوں کے سامنے آگیا اور مجھے معلوم ہوا کہ ہر فضیلت کی وجہ جو دنیا میں پائی جاتی ہے اور جس کی بناء پر ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جاتی ہے وہ بدرجہ اتم قرآن کریم میں پائی جاتی ہے اور فضیلت دینے والی خوبیوں کے سارے رنگ قرآن کریم میں موجود ہیں۔ میں نے اس وقت سرسری نگاہ سے دیکھا تو قرآن کریم کی فضیلت کی چھبیس وجوہات میرے ذہن میں آئیں۔ بالکل ممکن ہے کہ یہ وجوہات اس سے بہت بڑھ کر ہوں اور میں پھر غور کروں یا کوئی اور غور کرے تو اور وجوہات بھی نکل آئیں۔ مگر جتنی وجوہات اس وقت میرے ذہن میں آئیں ان میں مَیں نے قرآن کریم کو تمام کتب سے افضل پایا۔

منبع کی افضلیت

(۱) پہلی وجہ کسی چیز کے افضل ہونے کی اس کے منبع کی افضلیت ہوتی ہے۔ جیسے گورنمنٹ کی ملازمت میں باپ نے جو گورنمنٹ کی خدمات کی ہوتی ہیں ان کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور ایک دوسرے شخص کو جو تعلیم اور قابلیت کے لحاظ سے بالکل مساوی ہوتا ہے اس پر ایسے شخص کو ترجیح دے دی جاتی ہے جس کے باپ دادا نے

گورنمنٹ کی خدمات کی ہوتی ہیں۔ یہ منبع کے لحاظ سے فضیلت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک شخص جو امیر باپ کے گھر پیدا ہوتا ہے وہ امارت اپنے ساتھ لاتا ہے اور اسے یہ خوبی منبع کے لحاظ سے حاصل ہوتی ہے۔ میں نے قرآن کریم کو اس فضیلت کے لحاظ سے بھی دوسری کتب سے افضل پایا۔

ذاتی قابلیت کے لحاظ سے فضیلت

دوسری وجہِ فضیلت میرے ذہن میں یہ آئی کہ اندرونی اور ذاتی قابلیت اور طاقت کی وجہ سے بھی ایک چیز کو دوسری پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے دوائیں اپنے اندر طاقت رکھتی ہیں۔ اس وجہ کے لحاظ سے بھی میں نے قرآن کریم کو سب سے بڑھ کر پایا۔

نتائج کے لحاظ سے فضیلت

تیسری وجہِ فضیلت نتائج کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اس وجہ سے بھی ایک چیز کو ہم دوسری پر فضیلت دے دیتے ہیں۔ بعض چیزیں اپنی ذات میں اچھی ہوتی ہیں مگر دوسری چیزوں سے مل کر ان کا اچھا نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ جیسے ڈاکٹر جرمز(GERMS) کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ٹیکہ سے مرجاتے ہیں۔ گویا انسان کے جسم میں جرمز اور ٹیکہ کا مادہ ملنے سے الٹا اثر ہوتا ہے۔ تو کبھی ایک چیز کو نتائج کے لحاظ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے اور جو چیز اس میں بڑھ جاتی ہے اس کی برتری تسلیم کرلی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض تعلیمیں یوں بڑی اچھی اور مفید نظر آتی ہیں لیکن ان کے نتائج ایسے اعلیٰ پیدا نہیں ہوتے۔ میں نے اس لحاظ سے بھی قرآن کریم کو دوسری کتب سے افضل پایا۔

شدّتِ فائدہ کے لحاظ سے فضیلت

چوتھی وجہِ فضیلت شدّتِ فائدہ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ فائدے تو سب چیزوں میں ہوتے ہیں مگر ایک میں زیادہ ہوتے ہیں اور دوسروں میں کم۔ قرآن کریم میں شدّتِ فوائد کے لحاظ سے بھی فضیلت پائی جاتی ہے۔

کثرتِ فوائد کے لحاظ سے فضیلت

پانچویں کثرتِ فوائد کے لحاظ سے بھی ہم ایک چیز کو دوسری پر فضیلت دیتے ہیں۔ ایک دوائی ایک بیماری میں بڑا فائدہ دیتی ہے۔ مگر ایک اور دوائی ہوتی ہے جو اتنا فائدہ اس بیماری میں نہیں دیتی' مگر پچاس اور بیماریوں میں مفید ہوتی ہے۔ اسے پہلی دوائی پر کثرت فوائد کے لحاظ سے فضیلت حاصل ہوگی۔ قرآن کریم کو میں نے اس لحاظ سے بھی دوسری کتب سے افضل پایا۔

وسعتِ نفع کے لحاظ سے فضیلت

چھٹے۔ کبھی وسعتِ نفع کے لحاظ سے بھی فضیلت دی جاتی ہے۔ مثلاً ایک دوائی کے متعلق یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کتنی بیماریوں میں نفع دیتی ہے بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کتنی طبائع پر اثر ڈالتی ہے اور کتنے لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ قرآن کریم اس لحاظ سے بھی مجھے افضل نظر آیا۔

میعادِ نفع کے لحاظ سے فضیلت

ساتویں۔ نفع کے وقت کے لحاظ سے بھی کہ کتنے عرصہ تک کوئی چیز نفع پہنچاتی ہے ہم بعض دفعہ ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دے دیتے ہیں۔ جب ایک قسم کے دو کپڑے سامنے ہوں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک کپڑا کتنی مدت تک چلتا ہے اور دوسرا کتنی مدت تک۔ ایک اگر ایک سال چلنے والا ہو اور دوسرا چھ ماہ، تو ایک سال چلنے والے کو دوسرے پر فضیلت دے دی جائے گی۔ قرآن کریم کی اس لحاظ سے بھی مجھے فضیلت نظر آئی۔

نفع اٹھانے والوں کے مقام کے لحاظ سے فضیلت

آٹھویں۔ پھر فضیلت کی ایک وجہ ان لوگوں کی عظمت کے لحاظ سے بھی ہوتی ہے جن کو وہ نفع پہنچاتی ہے۔ یعنی دیکھا جاتا ہے کہ کس پایہ کے لوگ اس سے نفع اٹھاتے ہیں۔ جن چیزوں کے متعلق یہ معلوم ہو کہ بڑے پایہ کے انسانوں کو نفع پہنچاتی ہیں ان کو دوسری چیزوں پر مقدم کر لیا جاتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ قرآن کریم اس لحاظ سے بھی افضل ہے۔

نفع اٹھانے والوں کی اقسام کے لحاظ سے فضیلت

نویں۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کتنی اقسام کی چیزوں کو کوئی چیز نفع پہنچاتی ہے کیونکہ علاوہ افراد کے، اقسام بھی ایک درجہ رکھتی ہیں۔ ایک چیز ایسی ہے جو ایک کروڑ انسانوں کو نفع پہنچاتی ہے اور ایک اور ہے کہ وہ بھی ایک کروڑ انسانوں کو ہی نفع پہنچاتی ہے لیکن ان میں فرق یہ ہو کہ ایک صرف ایک قسم کے لوگوں کو نفع پہنچائے۔ مثلاً عیسائیوں یا ہندوؤں کو مگر دوسری ایک کروڑ انسانوں کو ہی نفع پہنچائے۔ لیکن عیسائیوں، ہندوؤں، یہودیوں اور مسلمانوں سب کو نفع پہنچائے تو اسے افضل قرار دیا جائے گا۔ غرض وسعتِ اقسام افراد کے لحاظ سے بھی ایک چیز افضل قرار دی جاتی ہے اس میں بھی مجھے قرآن کریم کی دوسری کتب پر فضیلت نظر آئی۔

کھوٹ سے مبرّا ہونے کے لحاظ سے فضیلت

دسویں۔ اس لحاظ سے بھی کسی چیز کی فضیلت کو دیکھا جاتا ہے کہ اس میں کوئی کھوٹ تو نہیں ملا ہوا۔ جس چیز میں کھوٹ نہ ہو اسے دوسری چیزوں پر فضیلت دی جاتی ہے۔ اس میں بھی قرآن کریم تمام کتبِ الٰہیہ سے افضل پایا گیا۔

یقینی فوائد کے لحاظ سے فضیلت

گیارھویں۔ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو کھوٹ سے تو پاک ہوتی ہیں مگر ان کے نفع کے متعلق اطمینان نہیں ہوتا۔ یہ احتمال ہوتا ہے کہ ان کے استعمال میں کوئی غلطی نہ ہو جائے جس کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑے۔ لیکن جس کے استعمال کے متعلق غلطی کا کوئی احتمال نہ ہو اور اس کے فوائد کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو اسے اختیار کر لیا جاتا اور اس کی فضیلت تسلیم کر لی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی قرآن کریم کو فضیلت حاصل ہے۔

ظاہری حسن کے لحاظ سے فضیلت

بارھویں۔ ظاہری حُسن کی وجہ سے بھی ایک چیز کو دوسری پر فضیلت دے دی جاتی ہے۔ قرآن کریم اپنے ظاہری حسن کے لحاظ سے بھی دوسری کتب سے افضل پایا گیا۔

ضروری امور کو نقصان نہ پہنچانے کے لحاظ سے فضیلت

تیرھویں۔ ایک چیز کو دوسری پر اس لئے بھی فضیلت دے دی جاتی ہے کہ اس کا استعمال دوسری ضروری اشیاء کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ مثلاً ایک شخص دو بیماریوں میں مبتلا ہو۔ اس کی ایک بیماری کے لئے ایک ایسی دوا ہو جو بہت فائدہ دیتی ہو لیکن دوسری بیماری کو بڑھا دیتی ہو۔ تو اس کی نسبت وہ دوائی استعمال کی جائے گی جو نفع کم دیتی ہو لیکن دوسری بیماری کو نقصان نہ پہنچاتی ہو۔ اس لحاظ سے بھی قرآن کریم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

فوائد کے سہل الحصول ہونے کے لحاظ سے فضیلت

چودھویں۔ اس لئے بھی ایک چیز کو دوسری پر فضیلت دی جاتی ہے کہ اس کے فوائد سہل الحصول ہوتے ہیں۔ یعنی آسانی سے اس کے فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ قرآن کریم اس لحاظ سے بھی افضل ہے۔

ضروریات پوری کرنے میں یکتا ہونے کے لحاظ سے فضیلت پندرھویں۔ اس لحاظ سے بھی ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جاتی ہے کہ وہ ایسی ضرورت کو پورا کرتی ہے جسے اور کوئی چیز پورا نہیں کرسکتی۔ یہ فضیلت بھی قرآن کریم کو دوسری کتب کے مقابلہ میں حاصل ہے۔ کیونکہ وہ ایسی ضرورتیں پوری کرتا ہے جنہیں اور کوئی کتاب پوری نہیں کرسکتی۔

اہم ضروریات کو پورا کرنے کے لحاظ سے فضیلت سولھویں۔ اس لحاظ سے بھی ایک چیز کو دوسری چیزوں پر مقدم کیا جاتا ہے کہ جس ضرورت کو وہ پورا کرتی ہے وہ ایسی ضرورت ہوتی ہے کہ اسے ہم کسی صورت میں بھی ترک نہیں کرسکتے۔ کئی ضرورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے نقصان تو ہوتا ہے مگر پھر بھی انہیں چھوڑا جاسکتا ہے۔ لیکن بعض ضرورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں ہم چھوڑیں' تو گئے۔ قرآن کریم ایسی ضرورتوں کو بھی پورا کرتا ہے اس لئے وہ دوسری کتب سے افضل ہے۔

حفاظت میں آسانی ہونے کے لحاظ سے فضیلت سترھویں۔ اس امر کے لحاظ سے بھی ایک چیز کو دوسری پر فضیلت حاصل ہوتی ہے کہ اس کی حفاظت میں کس قدر کوشش کرنی پڑتی ہے۔ ایک ایسی چیز جسے ہم آسانی اور سہولت سے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں اسے ہم ایسی چیز پر مقدم کرلیتے ہیں جس کی حفاظت مشکل ہوتی ہے میں نے دیکھا کہ قرآن کریم اس لحاظ سے بھی افضل ہے۔

نفع کے لحاظ سے فضیلت اٹھارھویں۔ کسی چیز کی فضیلت معلوم کرنے کے لئے یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس کا استعمال کس قدر ذمہ واریاں ڈالتا ہے اور اس کے مقابلہ میں نفع کس قدر ہے۔ میں نے دیکھا کہ قرآن کریم اس لحاظ سے بھی افضل ہے کیونکہ اس کے لینے میں خرچ کم ہوتا ہے اور نفع زیادہ۔

ہر قسم کے نقصان سے مبرّا ہونے کے لحاظ سے فضیلت انیسویں۔ اس لئے بھی ایک چیز کو دوسری پر فضیلت دے دی جاتی ہے کہ اس کے استعمال سے نقصان تو نہیں ہوتا۔ جب نقصان نہیں ہوتا تو اسے استعمال کرلیا جاتا ہے۔ مثلاً دو دوائیاں ہیں جن میں سے ایک تھوڑے نفع والی ہے مگر

کوئی نقصان اس سے پہنچنے کا خدشہ نہیں ہے تو اسے ہم استعمال کر لیتے ہیں اور زیادہ نفع دینے والی جس کے استعمال سے نقصان کا بھی خطرہ ہو اسے استعمال نہیں کرتے۔ اس لحاظ سے بھی قرآن کریم کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہے۔

دعوتِ عام کے لحاظ سے فضیلت

بیسویں۔ کسی چیز کو فضیلت اس وجہ سے بھی دی جاتی ہے کہ وہ اپنی چیز ہوتی ہے۔ جب میں نے قرآن کریم کو اس نقطہ نگاہ سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ صرف قرآن ہی اپنا تھا۔ باقی سب کتب میں مجھے غیریت نظر آئی۔ قرآن کریم کو میں نے ایک ہندو کی نظر سے بھی دیکھا اور ایک عیسائی کی نظر سے بھی۔ ایک پارسی کی نظر سے بھی اور ایک بُدھ کی نظر سے بھی۔ پھر کبھی میں سید بن کر اس کے پاس گیا کبھی مغل بن کر، کبھی شیخ بن کر کبھی راجپوت بن کر، کبھی عالم کے رنگ میں اور کبھی جاہل کے رنگ میں۔ مگر ہر دفعہ اس نے یہی کہا کہ آؤ تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ لیکن دوسری کتب کے پاس جس حالت میں بھی میں گیا۔ انہوں نے مجھے دھتکارا اور اپنے پاس تک پھٹکنے نہ دیا۔

علاجُ الامراض کے لحاظ سے فضیلت

اکیسویں۔ کسی چیز کو اس لحاظ سے بھی ہم فضیلت دیا کرتے ہیں کہ وہ ان بیماریوں کا علاج ہو جو ہم میں پائی جاتی ہیں۔ میں نے جب دیکھا تو قرآن کریم میں مجھے یہ بھی فضیلت نظر آئی۔

زائد فوائد کے لحاظ سے فضیلت

بائیسویں۔ ایک چیز کو دوسری پر ہم اس لئے بھی مقدم کیا کرتے ہیں کہ اس سے ہمیں زائد فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اس لحاظ سے بھی قرآن کریم دوسری کتب سے افضل ہے۔

مطمحِ نظر کی وسعت کے لحاظ سے فضیلت

تئیسویں۔ مذہب کی افضلیت کی ایک علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اعلیٰ ترقیات کی امید پیدا کر کے انسان کا مطمح نظر وسیع کرے۔ اپنے پیروؤں کی ہمت بڑھائے۔ ان میں مایوسی اور ناامیدی نہ آنے دے اور ان کی اُمنگوں کو قائم رکھے۔ میں نے دیکھا کہ اسلام اعلیٰ سے اعلیٰ ترقیات اور تعلق باللہ کا دروازہ ہمارے لئے کھولتا ہے اور اس طرح ہماری امید کو نہ صرف قائم رکھتا ہے بلکہ اسے وسیع کر کے ہماری ہمت کو بڑھاتا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ انسانی ترقی اس کے مستقبل کے خواب میں ہی پوشیدہ ہوتی ہے۔ پس اس لحاظ سے بھی

مجھے قرآن کریم ہی افضل نظر آیا۔

دوسری کتب سے مستغنی کرنے کے لحاظ سے افضلیت

چوبیسویں۔ اس لحاظ سے بھی کسی چیز کو دوسری چیزوں سے افضل قرار دیا جاتا ہے کہ وہ کس حد تک دوسری اشیاء کی ضرورت سے مستغنی کر دیتی ہے۔ ایسی چیز کی لوگ زیادہ قدر کرتے ہیں کیونکہ انہیں دوسری چیزوں کی فکر نہیں کرنی پڑتی۔ میں نے دیکھا کہ قرآن کریم اس لحاظ سے بھی افضل ہے۔

صحیح علوم کی طرف راہنمائی کرنے کے لحاظ سے فضیلت

پچیسویں۔ کسی چیز کی افضلیت کا ایک یہ بھی باعث ہوتا ہے کہ وہ صحیح علوم کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتی اور انہیں لغو امور میں حصہ لینے سے بچاتی ہے۔ کتابِ الٰہی چونکہ معلم ہوتی ہے اس لئے اس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی توجہ صحیح طرف لگائے۔ انہیں لغویات سے روکے اور صحیح علوم کی طرف ان کی راہنمائی کرے۔ میں نے دیکھا کہ قرآن کریم اس لحاظ سے بھی افضل ہے۔

اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لحاظ سے فضیلت

چھبّیسویں۔ اس امر کے لحاظ سے بھی ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت حاصل ہوتی ہے کہ وہ کس حد تک اس ضرورت کو پورا کرتی ہے جس کے لئے اسے حاصل کیا گیا تھا۔ اگر ایک چیز اپنی ضرورت کو پورا نہیں کرتی تو لازماً اس دوسری چیز کو ترجیح دی جائے گی جو اس ضرورت کو پورا کر سکتی ہو۔ میں نے دیکھا کہ اس پہلو کے لحاظ سے بھی قرآن کریم کو دوسری کتب پر فضیلت حاصل ہے۔

غرض غور کرتے وقت مجھے فضیلت کی یہ چھبّیس (۲۶) وجوہات نظر آئیں۔ گو جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں ممکن ہے کہ اور بھی کئی باتیں غور کرنے سے نکل آئیں۔ بہرحال جب میں نے ان پر قرآن کریم کو پرکھا تو اسے ہر بات میں دوسری کتب سے افضل پایا۔

قرآن کریم کا دعویٰ اور افضلیت

مگر پیشتر اس کے کہ ان امور پر تفصیلی بحث کی جائے سب سے پہلا سوال جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا قرآن کریم نے خود بھی دنیا کے سامنے یہ دعویٰ پیش کیا ہے یا نہیں کہ وہ تمام کتبِ الٰہیہ سے افضل ہے۔ اگر قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہو تو پھر تو اس کی افضلیت اور برتری کے وجوہ پر بھی

بحث کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کا یہ دعویٰ ہی نہ ہو تو اس کی افضلیت کے وجوہ پیش کرنا "مدعی سست اور گواہ چست" والی بات بن جاتی ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے جب ہم قرآن کریم پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنی افضلیت کا بڑے واضح الفاظ میں دعویٰ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ[3] یعنی اللہ تعالیٰ نے نہایت زور، طاقت اور قوت کے ساتھ اس کتاب کو اتارا ہے جو اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ ہے۔ یعنی ساری الہامی کتابوں سے افضل ہے۔ یہ کس طرح کہا گیا کہ ساری الہامی کتابوں سے افضل ہے۔ اول اس لئے کہ جب قرآن خدا تعالیٰ کی کتاب ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ دوسرے انسانوں کی کتابوں سے افضل ہے۔ اعتراض کے موقع پر تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ فلاں کتاب الہامی نہیں بلکہ انسانی دست بُرد کی آماجگاہ بن چکی ہے لیکن اصولی طور پر ان کو انسانی کتب قرار دے کر قرآن کو ان کے مقابلہ میں لانا بے وقوفی ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہو گی جیسے ایک پہلوان کہے کہ دیکھو میں فلاں بچہ سے طاقت ور ہوں۔ ہاں اگر بچہ پہلوان کو آکر کہے کہ میں تمہیں گرا دوں گا آؤ تم میرا مقابلہ کر لو تو پہلوان اسے بیشک کہہ سکتا ہے کہ جا چلا جا ورنہ تُو میرے ایک ہی تھپڑ سے مر جائے گا۔

اس آیت میں حدیث کا لفظ جو استعمال کیا گیا ہے یہ پہلی الہامی کتابوں کے متعلق ہے۔ اور قرآن کریم کے دوسرے مقامات میں انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر فرماتا ہے۔ فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ[4] یعنی تو مجھے اور اس کو جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے چھوڑ دے۔ اسی طرح فرماتا ہے وَمَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا کَانُوْا عَنْہُ مُعْرِضِیْنَ[5] یعنی رَحْمٰن خدا کی طرف سے کبھی کوئی نیا ذکر نہیں آتا کہ جس سے لوگ اعراض نہ کرتے ہوں۔ چونکہ انبیاء کا کلام ضرور کسی نئی شے کو لے کر آتا ہے۔ یعنی وہ حسب ضرورت آتا ہے خواہ شریعت لائے خواہ فہم لائے، خواہ ایمان کی تجدید کے سامان لائے، اس لئے اسے حدیث کہتے ہیں اور قرآن کریم اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ ہے یعنی جنس حدیث میں یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ کلام الٰہی میں سب سے افضل ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا۔ یہ کتاب جو نازل کی گئی ہے ان تمام کتابوں سے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں بڑھی ہوئی ہے۔ پس قرآن کریم سے ہمیں اس

کی افضلیت کا دعویٰ ملتا ہے۔

پھر قرآن کریم کی افضلیت کا دعویٰ اس آیت میں بھی موجود ہے کہ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ [۵] فرماتا ہے۔ ہم کوئی کلام الٰہی منسوخ نہیں کرتے یا فراموش نہیں کراتے جب تک کہ اس سے بہتر یا اس جیسا کلام نہ لائیں۔ یعنی جسے منسوخ کرتے ہیں اس سے بہتر لاتے ہیں اور جو بھول چکا ہوتا ہے مگر عمل کے قابل ہوتا ہے اسے ویسا ہی لے آتے ہیں۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اے مخاطب! تجھے یہ کیوں عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تورات میں ایک نئی شریعت نازل ہونیکی پیشگوئی

جب قرآن کریم پہلی الہامی کتب کا ناسخ ہے تو ضروری تھا کہ وہ کچھ تعلیم تو ان تعلیموں سے بہتر لائے اور کچھ وہ لائے جو مٹ گئی ہو۔ جب میں نے اس پہلو سے غور کیا تو قرآن کریم کے اس دعویٰ کی تصدیق دوسری کتابوں سے بھی معلوم ہوئی۔ چنانچہ بائیبل میں آتا ہے۔

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اس کے مونہہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے فرماؤنگا وہ سب ان سے کہے گا۔" [۶]

اس میں یہ خبر دی گئی تھی کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا جب موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی مبعوث ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ صاحب شریعت نبی تھے اس لئے ان جیسے نبی کے آنے کے لازماً یہ معنی تھے کہ وہ بھی صاحب شریعت ہوگا۔ پھر جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے گا تو معلوم ہوا کہ جو کتاب وہ لائے گا اس میں بعض باتیں زائد بھی ہونگی جو بائیبل میں موجود نہ ہونگی، ورنہ نئی شریعت کے آنے کی کیا ضرورت تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت منسوخ کرنے میں کیا حکمت تھی۔ لیکن جب وہ منسوخ کی گئی تو ضروری تھا کہ آنیوالی شریعت اس سے افضل ہو۔ پس قرآن کریم کی افضلیت بائیبل کے اس حوالہ سے بھی ثابت ہے کیونکہ شریعت جدیدہ ناسخہ عقلاً شریعت منسوخہ سے حقیقی طور پر یا نسبتی طور پر افضل ہونی چاہئے۔

حضرت موسیٰؑ کی پیشگوئی کے مصداق ہونیکا دعویٰ

ممکن ہے کوئی کہے کہ قرآن کریم کب کہتا ہے کہ میں وہی کتاب ہوں جس کا وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ سو اس کا جواب بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا [۸] یعنی اے لوگو! ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے شَاهِدًا عَلَيْكُمْ جو تم پر شاہد اور گواہ ہے كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا اور وہ اسی قسم کا رسول ہے جس قسم کا رسول موسیٰؑ تھا جسے فرعون کی طرف بھیجا گیا۔ اس آیت میں رسول کریم ﷺ کے متعلق استثنا باب ۱۸ آیت ۱۸ کے مصداق ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور طرح بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ اور وہ یہ کہ استثنا باب ۱۸ کی آیت ۱۸ حضرت مسیحؑ پر چسپاں نہیں ہوتی بلکہ وہ خود بھی کہتے ہیں کہ میں اس کا مصداق نہیں۔ انجیل میں آتا ہے' حضرت مسیحؑ کہتے ہیں۔

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔" [۹]

پس انجیل سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں جس آنے والے کی پیشگوئی ہے وہ حضرت مسیحؑ پر چسپاں نہیں ہوتی بلکہ اس کا مصداق کوئی اور ہے۔ پھر حضرت مسیحؑ صرف بنی اسرائیل کے لئے آئے تھے۔ مگر وہ جس کی نسبت حضرت موسیٰؑ نے پیشگوئی کی وہ ساری دنیا کے لئے ہے۔ اور یہ دعویٰ قرآن ہی پیش کرتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [۱۰] یعنی اے لوگو! آج میں نے دین کے کامل کرنے کی کڑی کو پورا کر دیا۔ وہ کڑی جو آدمؑ سے لے کر اب تک نامکمل چلی آتی تھی آج قرآن کے ذریعہ پوری کر دی گئی ہے اور میں نے اپنے احسان کو تم پر کامل کر دیا ہے۔ گویا مختلف چکروں میں سے انسانوں کو گذارتے ہوئے میں انہیں اس مقام پر لے آیا کہ بندہ خدا کا مظہر بن گیا اور میں نے تمہارے لئے دین کے طور پر اسلام کو پسند کر لیا۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم اپنے بعد کسی اور شریعت اور نئی کتاب کی امید

نہیں دلاتا بلکہ صرف یہ کہتا ہے کہ نیا فہم اور نیا علم حاصل کرو جو قرآن کریم کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم کے اس دعویٰ کے بعد اب میں یہ بتاتا ہوں کہ فضیلت کے وہ تمام وجوہ جن کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں قرآن کریم میں پائے جاتے ہیں اور فضیلت کے ہر اصل کے لحاظ سے قرآن کریم تمام دوسری کتب الہامیہ سے افضل اور برتر ہے۔

منبع کے لحاظ سے قرآن کریم کی افضیلت کا ثبوت

پہلی بات جو میں نے بطور فضیلت بیان کی ہے وہ منبع کے لحاظ سے کسی چیز کی افضلیت ہے۔ یعنی کسی چیز کے منبع اور مخرج کا اعلیٰ ہونا بھی اس کے لئے وجہِ فضیلت ہوتا ہے۔ جیسے ایک بادشاہ کے کلام کو دوسرے لوگوں کے کلام پر مقدم کیا جاتا ہے۔ اگر دو آدمی کلام کر رہے ہوں جن میں سے ایک بادشاہ ہو تو سننے والے لازماً بادشاہ کی بات کی طرف زیادہ متوجہ ہونگے اور بغیر یہ فیصلہ کرنے کے کہ ان میں سے کس کا کلام افضل ہے پہلے ہی یہ سمجھ لیا جائے گا کہ بادشاہ کا کلام دوسرے سے اہم ہوگا۔ اسی طرح ایک بڑے ادیب کے کلام کو دوسروں کے کلام پر ترجیح دی جاتی ہے۔ مختلف شعراء اگر ایک جگہ بیٹھے ہوں اور وہاں مثلاً غالب بھی آ جائیں تو بغیر اس کے کہ ان کے اشعار سنے جائیں یہی کہا جائے گا کہ ان کے اشعار افضل ہونگے۔ اسی طرح ایک ڈاکٹر کسی بیمار کے متعلق رائے دیتا ہے اور بعض دفعہ وہ غلطی بھی کر جاتا ہے بلکہ بعض اوقات عورتوں کے بتائے ہوئے نسخے زیادہ فائدہ دے دیتے ہیں مگر کوئی عقلمند یہ نہیں کہتا کہ ایک ڈاکٹر کی بات رد کر دی جائے اور ایک عورت کی بات مان لی جائے۔ لازماً ڈاکٹر کی بات کی طرف ہی توجہ کی جائیگی۔ ہاں جسے کسی دوائی سے فائدہ نہ ہوتا ہو وہ کسی عورت کی بتائی ہوئی دوائی بھی استعمال کرے گا۔ کیونکہ مرتا کیا نہ کرتا کے مطابق وہ یہ کہے گا کہ چلو اس کی دوائی بھی آزمالو۔

غرض اتھارٹی اپنی ذات میں بھی فضیلت رکھتی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اتھارٹی کے لحاظ سے غالب گمان ہوتا ہے کہ اس کی بات ٹھیک ہوگی۔ اسی کی طرف پہلے کیوں نہ توجہ کریں۔ بہرحال جس چیز کی فضیلت مقام اور منبع کے لحاظ سے ثابت ہو جائے اس کی طرف دوسروں کی نسبت زیادہ توجہ کی جاتی ہے اور اسے فضیلت دے دی جاتی ہے۔ لیکن اگر منبع ایسا ہو کہ جس سے غلطی کا امکان ہی نہ ہو تو پھر تو سُبْحَانَ اللّٰہِ!

اب قرآن کریم کو ہم اس اصل کے ماتحت دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے جو سب خوبیوں کا جامع ہے اور جب ہم یہ دعویٰ پڑھتے ہیں تو ہمارا دل کہتا ہے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے تو پھر یقیناً انسانوں کے کلاموں سے افضل ہوگا۔ اور ان کلاموں کو ہم اس کے مقابلہ میں قطعی طور پر ٹھکرا دیں گے۔

میں پہلے یہ دعویٰ بیان کر آیا ہوں کہ قرآن خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور وہ دعویٰ یہ ہے کہ **اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ** اب اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو قرآن کریم کو تمام انسانی کلاموں پر منبع کے لحاظ سے فضیلت حاصل ہو گئی۔

قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کے تین دلائل

لیکن ظاہر ہے کہ صرف دعویٰ کافی نہیں ہو سکتا۔ دعویٰ کے لئے دلیل بھی چاہیئے جس سے ثابت ہو کہ فی الواقعہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کے لئے قرآن کریم یہ دلیل دیتا ہے کہ **اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ** [1] اس آیت میں قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کی تین دلیلیں دی گئی ہیں۔ پہلی دلیل یہ بیان کی کہ **اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ** کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک **بَیِّنَة** یعنی روشن دلیل پر قائم ہو وہ جھوٹا ہو سکتا ہے یا وہ تباہ ہو سکتا ہے۔ یہاں من میں رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا ذکر ہے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے **اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ**۔ پس فرمایا کیا یہ لوگ تمہارے خیال کے مطابق تباہ و برباد ہو جائیں یا نقصان اٹھائیں گے یہ تو ایسی کتاب کو ماننے والے ہیں جو **بَیِّنَة** ہے یعنی اس میں الہامی دلائل ہیں جو مدلول علیہ کے دعویٰ کی صحت کو بیان کرتے ہیں۔

آیت اور بیّنة میں فرق

آیت اور **بَیِّنَة** میں یہ فرق ہے کہ آیت وہ ہوتی ہے جس سے ہم خود نتیجہ نکالیں۔ اور **بَیِّنَة** وہ ہوتی ہے جو اپنی دلیل آپ پیش کرے۔ جیسے ایک درخت کو ہم دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ اسے کسی صانع نے بنایا ہے یہ آیت ہے۔ لیکن ایک نبی آتا ہے اور آکر کہتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں یہ

بَیِّنَۃ ہے۔ تو آیت عام لفظ ہے اور بَیِّنَۃ خاص۔ اس سے مراد وہ دلیل ہوتی ہے جو اپنے لئے آپ شاہد ہوتی ہے۔

قرآن کریم کے بَیِّنَۃ ہونے کا ثبوت

اب سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کس طرح بَیِّنَۃ ہے؟ یہ بھی تو دعویٰ ہی ہے کہ قرآن بَیِّنَۃ ہے۔ اس کے لئے میں کہیں دور نہیں جاتا۔ قرآن کریم کے بَیِّنَۃ ہونے کا ثبوت اس پہلی وحی میں ہی موجود ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ باقی کتابیں دوسروں کی دلیلوں کی محتاج ہوتی ہیں مگر قرآن اپنے دعویٰ کی آپ دلیل دیتا ہے۔ اور قرآن کے بَیِّنَۃ ہونے کی دلیل ان تین آیتوں میں موجود ہے جو پہلے پہل نازل ہوئیں۔ قرآن کریم کا یہ کمال دکھانے کیلئے میں نے سب سے پہلی وحی قرآنی کو ہی لیا ہے۔ سب سے پہلی وحی غار حرا میں نازل ہوئی تھی جب جبرائیل رسول کریم ﷺ کو نظر آیا اور اس نے کہا۔ اِقْرَاْ یعنی پڑھ۔ اس کے جواب میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ [۲] میں پڑھنا نہیں جانتا۔ مطلب یہ تھا کہ یہ بوجھ مجھ پر نہ ڈالا جائے۔ کیونکہ اس وقت آپ کے سامنے کوئی کتاب تو نہیں رکھی گئی تھی جسے آپ نے پڑھنا تھا۔ بلکہ جو کچھ جبرائیل بتاتا وہ آپ کو زبانی کہنا تھا۔ اور یہ آپ کہہ سکتے تھے مگر آپ نے انکسار کا اظہار کیا۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کیلئے آپ ہی کو چنا تھا۔ اس لئے بار بار کہا کہ پڑھو۔ آخر تیسری بار کہنے پر آپ نے پڑھا اور جو کچھ پڑھا وہ یہ تھا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ [۳]

کیا ہی مختصر سی عبارت اور کتنے تھوڑے الفاظ ہیں مگر ان میں وہ حقائق اور معارف بیان کئے گئے ہیں جو اور کتابوں میں ہرگز نہیں پائے جاتے۔ دوسری کتابوں کو دیکھو تو ویدیوں شروع ہوتے ہیں۔ "اگنی میرےھے پروہتم"۔ آگ ہماری آقا ہے۔ بائبل کو دیکھو تو اس میں زمین و آسمان کی پیدائش کا یوں ذکر ہے۔

> "ابتداء میں خدا نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا۔ اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا۔ اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی۔" [۴]

انجیل کی ابتداء اس طرح ہے:-

"ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا۔" ۵۹

لیکن قرآن کریم اس دلیل کے ساتھ اپنی بات شروع کرتا ہے کہ **اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ**۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم ان لوگوں کے معلم بن جاؤ اور پڑھو اس خدا کے نام کے ساتھ جس نے دنیا کو پیدا کیا۔ **خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ**۔ اس نے انسان کو ایک خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ **اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ** ہاں اے محمد! پڑھ کہ تیرے پڑھتے پڑھتے خدا کی عزت دنیا میں قائم ہو جائیگی۔

قرآن کریم کی ایک عظیم الشان پیشگوئی

یہ پہلی پیشگوئی ہے جو قرآن کریم کے بَیِّنَة ہونے کے ثبوت میں پیش کی گئی ہے۔ فرمایا قرآن کے بَیِّنَة ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ یہ کتاب خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کی شان دنیا میں قائم کردے گی۔

حضرت مسیح علیہ السلام پر مخالفین نے اعتراض کیا تھا کہ اسے شیطان سکھاتا ہے اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ کیا شیطان اپنے خلاف آپ سکھاتا ہے۔

"اگر شیطان شیطان کو نکالے تو وہ اپنا ہی مخالف ہوا۔ پھر اس کی بادشاہت کیونکر قائم رہے گی۔" ۶۰

اسی طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ کتاب جو خدا تعالیٰ کی گم شدہ عظمت قائم کرنے کیلئے آئے اسے شیطان کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اول تو کوئی کتاب جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو یہ کہہ ہی کس طرح سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی عزت اور عظمت اس کے ذریعہ قائم ہو جائیگی۔ کئی لوگ کتابیں لکھتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی کتاب دنیا کا نقشہ بدل دے گی لیکن پھر اسی کتاب پر دوسروں سے ریویو کرانے کے لئے منتیں کرتے پھرتے ہیں۔ ایک دوست نے بتایا کہ ایک شخص نے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ شکوہ کرتا پھرتا ہے کہ "الفضل" اس کی کتابوں کے خلاف کیوں نہیں لکھتا۔ ایک اور مدعی نبوت نے مجھے لکھا کہ میں آپ کے پاس اپنی کتاب بھیجتا ہوں خواہ آپ اس کے خلاف ہی لکھیں لیکن لکھیں ضرور۔ تو بیسیوں کتابیں ایسی ہوتی ہیں جن کا کوئی نتیجہ نہیں پیدا ہوتا۔ پھر کیا یہ معمولی بات ہے کہ ایک ایسے علاقہ میں جہاں بت پرستی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ وہاں کہا گیا کہ اسے ایسی حالت میں پڑھ کہ تیرے رب

کی عزت اس کے ذریعہ دنیا میں قائم ہوتی جائے گی۔ اس کلام کے ذریعہ تیرا رَبّ اَکْرَمُ کے طور پر ظاہر ہوگا۔

اُس وقت نہ صرف عرب میں بلکہ سارے جہان میں شرک پھیلا ہوا تھا اور حالت یہ تھی کہ آخری مذہب جو عیسائیت تھا۔ اس کے ماننے والے عیسائی خود لکھتے ہیں کہ اسلام اس لئے اتنی جلدی اور اس وسعت کے ساتھ پھیل گیا کہ عیسائیت میں شرک داخل ہو چکا تھا۔ ہندوؤں کی کتابوں کو دیکھو تو یہی معلوم ہوگا کہ اُس وقت ہندوؤں میں بکثرت شرک پایا جاتا تھا۔ زرتشتی بھی مانتے ہیں کہ اس زمانہ میں ہر طرف شرک ہی شرک تھا۔ غرضیکہ تمام مذاہب والے فخر کے ساتھ کہتے تھے کہ اسلام کے پھیلنے کی یہی وجہ ہے کہ اس وقت ہر مذہب میں شرک پھیل چکا تھا۔ ہم کہتے ہیں یہ درست ہے اور قرآن کریم نے ایسے ہی وقت میں یہ پیشگوئی کی تھی کہ شرک مٹ جائے گا اور خدائے واحد کی حکومت دنیا میں قائم ہو جائیگی۔

اُس وقت جب کہ قرآن نے توحید پیش کی مکہ والوں کی جو حالت تھی اس کا ذکر قرآن کریم اس طرح کرتا ہے کہ انہوں نے کہا اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ [۱۷] یہ عجیب بات ہے کہ اس نے سارے معبودوں کو کوٹ کاٹ کر ایک بنا دیا ہے ان لوگوں کو یہ خیال ہی نہیں آتا تھا کہ وہ اِلٰہ ہیں ہی نہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ سب معبودوں کو اس نے اکٹھا کر کے ایک بنا دیا ہے۔ سورۃ صٓ میں ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ مگر معاً ان کی حالت بدلنے لگی۔ اور اس کے بعد ان میں اس قدر تغیر پیدا ہو گیا کہ انہوں نے اسلامی توحید کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیئے اور یہ کہنے لگے کہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى [۱۸] یعنی یہ یونہی کہتا ہے کہ ہم مشرک ہیں ہم تو خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے بتوں کو مانتے ہیں۔ گویا وہ معذرت کرتے ہیں کہ ہم کب کہتے ہیں کہ بت خدا ہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

یہ کتنا عظیم الشان تغیر ہے جو اُن میں پیدا ہوا اور کس طرح خدا تعالیٰ کا اَکْرَمُ ہونا ظاہر ہو گیا۔ غرض فرماتا ہے۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ تو اس کتاب کو پڑھ کیونکہ اس کے پڑھنے کے ساتھ ہی توحید پھیلنے لگ جائے گی۔ لوگ خدا تعالیٰ کو ماننے لگ جائیں گے اور اس کا جلال دنیا میں قائم ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مگر یہ تو اس وقت کا حال تھا جب قرآن کریم نازل ہوا۔ اب دیکھ لو کہ کس طرح شرک کے خیالات دنیا سے مٹ رہے ہیں۔ ہندوستان میں

۳۳ کروڑ بت پوجے جاتے تھے مگر ان ہندوؤں میں سے ہی آریہ اٹھے جو کہتے ہیں کہ ہم ہی اصل توحید کے ماننے والے ہیں۔ اسی طرح مسیحیوں کو دیکھو تو وہ کہتے ہیں اصل توحید ہم میں ہی ہے میں نے عیسائیوں کی ایسی کتابیں پڑھی ہیں جن میں وہ لکھتے ہیں کہ اسلام نے ہم پر یہ غلط اعتراض کیا ہے کہ ہم شرک میں مبتلا ہیں حالانکہ اب بھی ان میں ایسے لوگ ہیں جو حضرت مریمؑ اور حضرت مسیحؑ کی پرستش کرتے ہیں۔

غرض کتنا بڑا تغیر رونما ہو گیا کہ جہاں جہاں قرآن پڑھا گیا وہاں توحید قائم ہوتی چلی گئی۔ اور دنیا یہ اقرار کرنے لگ گئی کہ خدا ہی اَکْرَمُ ہے۔ یہ کتنی عظیم الشان پیشگوئی ہے جو قرآن کریم کے متعلق کی گئی۔ پھر پہلے دن پہلی وحی میں اور پہلے وقت میں کی گئی۔

قلم کے ذریعہ ہر قسم کے علوم کا اظہار

ایک اور پیشگوئی اس وحی میں قرآن کے متعلق یہ کی کہ اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ یعنی اس کتاب کے ذریعہ نہ صرف یہ ثابت ہوگا کہ تیرا رب سب سے بالا ہے اور باقی ساری ہستیاں اس کے تابع ہیں بلکہ ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوگا کہ اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ تیرے رب نے قلم کے ساتھ علم سکھایا ہے۔ یعنی آئندہ تحریر کا عام رواج ہو جائے گا۔ وہ مکہ جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت صرف سات آدمی پڑھے لکھے تھے۔ جہاں کے بڑے بڑے لوگ لکھنا پڑھنا ہتک سمجھتے تھے۔ شعراء اپنے شعر صرف زبانی یاد کراتے تھے۔ اور اگر انہیں کہا جائے کہ اشعار لکھوا دیئے جائیں تو اسے اپنی ہتک سمجھتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ لوگ ان کے اشعار زبانی یاد رکھتے ہیں۔ جب قرآن نازل ہوا تو ان میں ایک عظیم الشان تغیر آ گیا۔ یہاں تک کہ صحابہؓ میں کوئی ان پڑھ نہ ملتا تھا۔ سَو میں سے سَو ہی پڑھے لکھے تھے۔ تو فرمایا اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ اس کتاب کے ذریعہ دوسرا عظیم الشان تغیر یہ ہوگا کہ لوگوں کی توجہ علوم کی طرف پھیر دی جائے گی چنانچہ آپؐ کی بعثت کے معاً بعد لکھنے کا رواج ترقی پذیر ہوا۔ صحابہؓ نے لکھنا پڑھنا شروع کیا۔ مدینہ میں آپؐ نے سب بچوں کو تعلیم دلوائی یہاں تک کہ عرب کا بچہ بچہ پڑھ لکھ گیا بلکہ اسلام کے ذریعہ سے یونانی کتب بھی محفوظ ہو گئیں۔ غرض قلم کا استعمال اس کثرت سے ہوا کہ اس کی مثال پہلے زمانہ میں نہیں ملتی۔

یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ اس بات کا تعلق قرآن کریم کی فضیلت سے کیا ہے؟ سو یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم کو کامل اور افضل ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے

مخاطب عالِم ہوں جاہل نہ ہوں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن کریم کے نازل ہونے کے بعد علم کا زمانہ آ جائے گا۔ لوگ مختلف علوم کے ماہر ہونگے۔ مگر باوجود اس کے یہ کتاب دنیا میں قائم رہے گی اور پڑھی جائے گی۔ اور کوئی اس پر غالب نہیں آسکے گا۔ غرض اس پیشگوئی کے بعد کیا عرب اور کیا دوسرے ممالک ان میں علم کا اتنا رواج ہوا کہ اس کی مثال پہلے کسی زمانہ میں نہیں مل سکتی۔

نئے نئے علوم کی ترویج

تیسری پیشگوئی یہ کی کہ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ خدا کا نام لے کر اس کتاب کو پڑھ جو انسان کو وہ وہ باتیں سکھانے والا ہے جنہیں اس سے پہلے وہ ہرگز نہیں جانتا تھا۔ گو یہ عام بات ہے کہ جہاں تحریر کی کثرت ہوگی وہاں علوم کا رواج ہوگا۔ اور لوگ نئی نئی باتیں بیان کریں گے۔ مگر لغو تحریریں بھی ہو سکتی ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اب میں انسانوں کو وہ باتیں سکھاؤنگا جو خواہ دینی ہوں یا دنیوی' دنیا اِس سے پہلے نہیں جانتی تھی۔

چنانچہ قرآن کریم نے ایسے علوم بتائے جو نہ تورات میں موجود ہیں نہ انجیل میں اور نہ کسی اور کتاب میں۔ پھر دوسرے علوم بھی اس کے ذریعہ سے کھلنے شروع ہوئے۔ عرب میں شعروں کے قواعد' علم معانی' بیان اور صرف و نحو وغیرہ کے اصول و قواعد کوئی نہ تھے۔ یہ علوم صرف مسلمانوں نے رائج کئے۔ عرب کے جاہل لوگوں کی ساری کائنات لوٹ مار تھی۔ مگر قرآن کریم نازل ہونے کے بعد جن علوم سے وہ ہزاروں سال سے ناآشنا چلے آ رہے تھے ان سے وہ آشنا ہوئے اور وہ ساری دنیا کے علوم کے حامل بن گئے۔ یونانی علوم کی کتابوں کے انہوں نے ترجمے کئے اور پھر ان کے ترجمے یورپ میں گئے۔ سپین میں جب مسلمان پہنچے تو انہوں نے ان کتابوں کے ترجمے کئے اور پھر ان ترجموں سے یورپ نے فائدہ اٹھایا۔ غرض عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ کے بعد ایسا تغیر شروع ہوا کہ وہ باتیں جو دنیا کو پہلے معلوم نہ تھیں ساری دنیا میں پھیل گئیں۔ اور مسلمانوں نے ایسے علوم ایجاد کئے جو پہلے نہ تھے۔ مثلاً علم الاخلاق' علم النفس' سائنس کے متعلق علوم' علم قضا ان سب علوم کے متعلق نئے اصول تجویز کئے۔ اسی طرح مسلمانوں نے علم روایت نکالا' علم کلام ایجاد کیا' علم قضا اور حکومت کے قوانین مرتب کئے۔ پہلے رومن لاء جاری تھا مگر خود یوروپین مدبروں نے تسلیم کیا ہے کہ اسلامی لاء اس سے بہتر ہے۔ حفظان صحت' علم تصوف اور الجبرا کے علوم بھی مسلمانوں کے

ذریعہ نکلے۔ غرض ایک طرف تو قرآن نے ایسی روحانی باتیں بیان کیں جو دنیا پہلے نہ جانتی تھی اور دوسری طرف ایسے دنیوی علوم ظاہر ہوئے جن کے مقابلہ میں پہلے علوم ایک لحہ کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ یہ تین پیشگوئیاں قرآن کریم کے الٰہی کتاب ہونے کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

قرآن کریم کی افضلیت کی ایک اور شہادت

مگر ان پیشگوئیوں کے علاوہ قرآن کریم اپنی افضلیت کے لئے ایک چوتھی شہادت بھی پیش کرتا ہے۔ فرماتا ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ [۹] اس کتاب کے معارف اور حقائق صرف انہی لوگوں پر کھل سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقرب اور اس کی طرف سے پاک کئے گئے ہوں۔ دیکھو قرآن اسی زبان میں آیا جسے لوگ جانتے تھے۔ اس کے الفاظ وہی تھے جو لوگ استعمال کرتے تھے۔ اور عربی جاننے والے لوگ دنیا میں موجود ہیں مگر ان پر قرآن کے معارف نہیں کُھلتے۔ معارف انہی پرؓ کھلتے ہیں جو اس کے خدا کا کلام ہونے پر ایمان لاتے اور اپنے اندر پاکیزگی اور طہارت پیدا کرتے ہیں۔ کیا کوئی انسان اپنی تصنیف کردہ کتاب کے متعلق یہ شرط عائد کر سکتا ہے کہ میں نے جو کتاب تصنیف کی ہے اس کے مطالب وہی سمجھے گا جو خدا تعالیٰ کا مقرب ہو گا۔ کوئی انسان اپنی تصنیف کے متعلق اس قسم کی شرط نہیں پیش کر سکتا۔ پس جو کتاب معروف زبان میں ہو مگر اس کے مطالب کا انکشاف دماغی قابلیتوں اور علوم ظاہری کی بجائے تعلق باللہ کے ساتھ وابستہ ہو۔ اس کے متعلق ماننا پڑے گا کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ اس کے علوم کا ظہور خالی علم و فکر پر کیوں نہ ہوتا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ جس قدر الہامی کتب پائی جاتی ہیں ان کے مطالب ان زبانوں کے جاننے والوں پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم کے متعلق یہ شرط ہے کہ خواہ ظاہری طور پر کوئی بڑا عالم نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق رکھتا ہو تو اس پر اس کے معارف کھل جائیں گے۔ چنانچہ جہاں تورات انجیل وید اور ژَنداوِستا کے علوم ظاہری عالموں کے ہاتھوں میں ہیں وہاں قرآن کریم کے علوم صرف روحانی علماء اور اولیاء کے ہاتھ سے ہی کھلتے چلے آئے ہیں۔ جیسے سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ، حضرت محی الدین صاحب ابن عربیؒ، مولانا رومؒ، امام غزالیؒ، سید احمد صاحب سرہندیؒ، شہاب الدین صاحب سہروردیؒ، شاہ ولی اللہ صاحبؒ یہی لوگ قرآن کریم کے علوم کو سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کے قابل ہوئے ہیں۔ بے شک

ظاہری علوم رکھنے والے بعض علماء نے بھی قرآن کریم کی تفسیریں لکھی ہیں۔ لیکن انہوں نے بڑی بڑی ٹھوکریں بھی کھائی ہیں جو لوگوں کے لئے گمراہی کا موجب ہوئی ہیں لیکن صوفیاء جو خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے ان کا بڑی عمدگی سے رد کیا ہے۔

روحانی علماء کے ذریعہ قرآن کریم کے مشکل مقامات کا حل

مثلاً قرآن کریم میں حضرت یونسؑ کے متعلق آتا ہے۔ **وَذَاالنُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ** [۲۰] یعنی یونس کو بھی یاد کرو جب وہ غضب کی حالت میں چلا گیا اور اسے یہ یقین تھا کہ ہم اسے تنگی میں نہیں ڈالیں گے۔ اس آیت میں **لَنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ** کے جو الفاظ آتے ہیں ان کے متعلق بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یونسؑ نے یہ خیال کیا کہ خدا اسے گرفتار نہیں کر سکتا۔ مگر حضرت محی الدین ابن عربیؒ اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ **لَنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ** کے معنی ہیں **لَنْ نَّضِيْقَ عَلَيْهِ**۔ [۲۱] یعنی حضرت یونس علیہ السلام کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں تنگی میں نہیں ڈالے گا۔ بلکہ ہر مشکل اور مصیبت میں ان کا ساتھ دیگا۔

غرض عصمت انبیاء کے متعلق ظاہری علماء نے بڑی بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ لیکن صوفیاء اس سے محفوظ رہے ہیں بلکہ انہوں نے عصمت انبیاء ثابت کرنے کے لئے بڑی لطیف بحثیں کی ہیں۔

پیدائش عالم کے متعلق ابن عربیؒ کا ایک کشف

اسی طرح دنیا کی پیدائش کے متعلق حضرت محی الدین صاحب ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ مجھے کشفی طور پر معلوم ہوا کہ دنیا کئی لاکھ سال میں مکمل ہوئی ہے اور مکمل ہونے کے ستره ہزار سال کے بعد انسان کی پیدائش ہوئی ہے۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ علم جیالوجی سے یہ امر ثابت ہوا ہے۔ حالانکہ حضرت محی الدین صاحب ابن عربیؒ نے پہلے سے یہ بات اپنی کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ وہ اپنی کتاب فتوحات مکیہ جلد اول کے ساتویں باب میں انسان کے متعلق لکھتے ہیں کہ **هُوَ اٰخِرُ جِنْسٍ مَوْجُوْدٍ مِنَ الْعَالَمِ الْكَبِيْرِ وَاٰخِرُ صِنْفٍ مِنَ الْمُوَلَّدَاتِ**۔ [۲۲] یعنی انسان عالم کبیر کی آخری جنس اور مولّدات ثلثہ (جمادات، نباتات اور حیوانات) میں سے آخری قسم ہے۔ اور مولّدات ثلثہ کی پیدائش کا زمانہ وہ اکہتّر ہزار سال بتاتے ہیں۔

اسی طرح بعض صوفیاء نے قرآن کریم سے استدلال کر کے لکھا کہ زمین گول ہے۔ چنانچہ کولمبس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اسے امریکہ کی طرف جانے کا خیال محض اس وجہ سے پیدا ہوا کہ اس نے ہسپانیہ کے مسلمانوں سے سنا تھا کہ زمین گول ہے۔ غرض صوفیاء نے تو زمین کے متعلق لکھا کہ وہ گول ہے مگر ظاہری علوم رکھنے والے اسے نہ سمجھ سکے۔ اسی طرح اجرائے نبوت کے متعلق صوفیاء اور اولیاء نے تو لکھا کہ رسول کریم ﷺ کی غلامی میں نبی آسکتے ہیں۔ جیسے محی الدین صاحب ابن عربیؒ آنے والے مسیح کو امتی بھی اور نبی بھی قرار دیتے ہیں لیکن علماء نے اس کا انکار کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا چیلنج

اب اسی زمانہ میں دیکھ لو کہ ظاہری علوم رکھنے والوں کی سمجھ میں قرآن کریم کی کوئی بات نہ آئی۔ انہوں نے معذرت کے نیچے پناہ لینی چاہی اور لکھ دیا کہ قرآن میں خطابیات ہیں یعنی قرآن نے کئی باتیں ایسی لکھی ہیں جنہیں دوسرے لوگ مانتے تھے۔ ان کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن خود بھی انہیں درست قرار دیتا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے رد کیا اور اس طرح قرآن کریم کی صداقت ثابت کی۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ اعلان کیا کہ کوئی ایسی بات بتاؤ جو روحانیت سے تعلق رکھتی ہو مگر قرآن میں نہ ہو۔ یا قرآن کریم کی بتائی ہوئی باتوں پر جو اعتراض پڑے وہ پیش کرو۔ آپ نے قرآن کریم سے ایسی ایسی معرفت کی باتیں نکالیں کہ انہیں پڑھنے والے سرُ دھنتے ہیں اور ان لوگوں کی غفلت اور نادانی پر افسوس کرتے ہیں جنہوں نے قرآن کریم کے نہ سمجھنے کی وجہ سے اسے محلِّ اعتراض ٹھہرایا۔ اب آپ کی جماعت پر بھی خدا تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ جیسے قرآن کریم کے معارف آپ کی جماعت کے لوگ بیان کر سکتے ہیں وہ باقی دنیا کے لوگوں سے پوشیدہ ہیں۔

قرآن کریم دعویٰ کے ساتھ دلیل بھی پیش کرتا ہے

حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ جن قرآنی علوم اور معارف کا انکشاف ہوا ان میں سے ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ قرآن کریم جو دعویٰ کرتا ہے اس کی دلیل بھی خود ہی دیتا ہے وہ اپنی امداد کے لئے انسانوں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ ورنہ وہ کتاب کس کام کی جو دعویٰ ہی دعویٰ کرتی جائے اور کوئی دلیل نہ دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہی کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے جو دوسروں کی امداد کی

محتاج نہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ دعویٰ تو خود کرے اور دلیل دوسروں پر چھوڑ دے جو زیادہ مشکل کام ہے کیونکہ دعویٰ تو ہر ایک کر سکتا ہے لیکن دلیل دینا اور اس دعویٰ کو ثابت کرنا مشکل ہوتا ہے۔

اخلاق کے متعلق قرآن کریم کی بے نظیر تعلیم

دوسری بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بیان فرمائی کہ قرآن کریم نے اخلاق کے متعلق جو تعلیم پیش کی ہے اس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ نے قرآنی علوم کی روشنی میں اخلاق کے ایسے اصول بیان کئے کہ اس وقت کے ترقی یافتہ علم النفس کے ماہرین بھی ان کے خلاف لب کشائی کی جرات نہیں کر سکتے۔ بلکہ اب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کئی باتیں جن کی پہلے یہ لوگ مخالفت کیا کرتے تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمانے کے بعد ان کی تائید کرنے لگ گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اخلاق کی تعلیم قرآن کریم سے نکالی اور ان سوالات پر روشنی ڈالی کہ اعلیٰ اخلاق کس طرح پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے حصول میں کون کون سی روکیں ہیں۔ ان کے پیدا کرنے کے کیا ذرائع ہیں۔ یہ سب باتیں قرآن کریم سے آپ نے پیش کیں اور دنیا پر اسلام کی فضیلت ثابت کی۔

حقیقتِ نبوت کا اثبات

تیسرے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم سے حقیقتِ نبوت ثابت کی۔ پہلی ساری کتابیں اس بارے میں خاموش ہیں۔ چنانچہ میں نے اس کے متعلق بڑے بڑے پادریوں کو چٹھیاں لکھیں کہ بائیبل کی رو سے نبوت کی کیا تعریف ہے؟ اس پر بعض کی طرف سے یہ جواب آیا کہ ہماری اس کے متعلق کوئی تحقیق نہیں۔ حالانکہ وہ مسئلہ جس پر مذہب کی بنیاد ہے اس کی حقیقت تو معلوم ہونی چاہئے۔ مگر بڑے بڑے پادریوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں اور ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ میں نبوت کی تعریف لکھتا ہوں مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ صحیح ہے یا غلط۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حقیقت نبوت قرآن کریم سے ثابت کی اور بتایا کہ ان شرائط کے ماتحت جن پر وحی نازل ہو انہیں ہم نبی کہہ سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ جن پادریوں نے نبوت کے متعلق کچھ لکھا انہوں نے یہی لکھا کہ نبی وہ ہوتا ہے جو پیشگوئیاں کرے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ بائیبل میں ایسے لوگوں کا بھی ذکر ہے جو پیشگوئیاں کرتے تھے۔ مگر نبی نہ تھے۔ وہ ان میں اور

سچے نبیوں میں یہ فرق نہ بتا سکے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتابوں میں اس فرق پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

قرآن کریم میں اعلیٰ درجہ کی ترتیب

چوتھی بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بیان فرمائی کہ قرآن کریم میں اعلیٰ درجہ کی ترتیب ہے اور اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا۔ حالانکہ اس سے خود مسلمان کہلانے والے بھی انکار کر رہے تھے۔ اور کہتے تھے کہ قرآن کی آیات ایک دوسری سے کوئی جوڑ نہیں رکھتیں۔

قرآنی قصص میں آئندہ زمانہ کے لئے پیشگوئیاں

پانچویں بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بیان فرمائی کہ قرآن کریم میں کوئی قصہ نہیں۔ یہ ایسا عظیم الشان امر ہے کہ پرانی تفسیروں کا اس نے تختہ اُلٹ دیا۔ وہاں بات بات پر قصہ شروع ہو جاتا ہے اور اس میں ایسی ایسی مضحکہ خیز باتیں بیان کی جاتی ہیں جنہیں عقل انسانی تسلیم ہی نہیں کر سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ جس قدر واقعات کا قرآن کریم میں ذکر ہے وہ ساری پیشگوئیاں ہیں۔ کوئی قصہ نہیں۔ یہ آئندہ زمانہ میں رونما ہونے والے واقعات تھے جو پورے ہوئے۔

قُربِ قیامت والی پیشگوئیوں کا صحیح مفہوم

چھٹے آپ نے قرآن کریم سے قُربِ قیامت والی پیشگوئیوں کا صحیح مفہوم واضح کیا اور جو لغو باتیں پھیلی ہوئی تھیں ان کو ردّ کیا۔

تمام مذاہبِ باطلہ کا ردّ

ساتویں بات جو نہایت عظیم الشان ہے اور جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ پیش کی کہ جتنے مذاہب نئے یا پرانے ہیں ان سب کا رد قرآن کریم میں موجود ہے۔ یہ کتنی آسان بات ہے جس سے قرآن کریم کی نضیلت ظاہر ہو جاتی ہے۔ برہمو سماج والے کہہ سکتے تھے۔ بتاؤ ہمارے مذہب کا قرآن میں کہاں رد ہے۔ پراٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ کہہ سکتے تھے بتاؤ قرآن ہمارے خلاف کیا دلیل دیتا ہے۔ غرض ہر مذہب والے اس قسم کا مطالبہ کر سکتے تھے مگر کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ چیلنج منظور نہ کیا۔ اب بھی یہ چیلنج موجود ہے۔ کوئی معقول آدمی اپنے مذہب کے متعلق مطالبہ کرے ہم اسی وقت قرآن کریم سے اس کے مذہب کا ردّ نکال کر

دکھادیں گے۔

اپنی ذات میں کامل کتاب

آٹھویں بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بیان فرمائی کہ قرآن کسی اور کتاب کا محتاج نہیں بلکہ اپنی ذات میں کامل ہے۔ اور تمام ضروری علوم اس میں موجود ہیں۔ یہ صرف جھوٹے مذاہب کا ردّ ہی نہیں کرتا بلکہ ہر ضروری چیز بھی پیش کرتا ہے۔ یہ دعویٰ بھی ایسا ہے جس کا لوگ تجربہ کرسکتے تھے کیونکہ بعض نئے اخلاق اور نئی قابلیتوں کا علم ہوا تھا۔ ان کے متعلق وہ پوچھ سکتے تھے کہ بتاؤ قرآن میں کہاں ہیں۔ مگر کوئی شخص مقابل میں نہ اٹھا۔

اعلیٰ درجہ کی روحانی ترقیات عطا کرنے والی کتاب

نویں بات آپ نے یہ پیش کی کہ قرآن میں انسان کی اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی ترقیات کے گُر موجود ہیں۔ اور اس کے لئے خدا تعالیٰ کے قرب کے دروازے کھولے گئے ہیں۔ اور ہر قسم کی تدابیر بتائی گئی ہیں جن سے وہ ترقیات حاصل کرسکتا ہے۔

بعث بعد الموت کی حقیقت

دسویں آپ نے بعث بعد الموت کی حقیقت ثابت کی۔ دوزخ کا کیا نقشہ ہوگا۔ کون لوگ اس میں جائیں گے۔ کیا کیا تکالیف ہونگی۔ اسی طرح یہ کہ جنت میں کون لوگ ہونگے۔ اس کی لذات کیسی ہونگی۔ جنت دائمی ہوگی یا نہیں۔ غرض ساری باتیں بیان کردیں اس وقت میں ان انکشافات کی مثالیں پیش نہیں کرسکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں میں پڑھی جاسکتی ہیں۔ بالخصوص "اسلامی اصول کی فلاسفی" اور میری کتاب "احمدیت" میں ان کا ذکر ہے۔

مطہّر کی تعریف

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ **لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ** میں **مُطَھَّر** کا لفظ استعمال ہوا ہے نہ کہ **طَاھِر** کا لفظ۔ اس کی وجہ یہ کہ **طَاھِر** وہ شخص ہوتا ہے جو زُہد و ورع سے ایک پاکیزگی حاصل کرلیتا ہے۔ اور **مُطَھَّر** وہ ہوتا ہے جو کسی اندرونی نسبت سے اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ اور **مُطَھَّر** کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے قول یا فعل سے ہی ہوتا ہے نہ کہ اس کے کسی عمل یا لوگوں کے کہنے سے۔ چنانچہ دیکھ لو۔ وہ لوگ جنہوں نے قرآن کریم کی صحیح تفاسیر لکھیں۔ وہ وہی لوگ تھے جو خدا تعالیٰ کے الہام اور اس کے قرب سے مشرّف تھے اور خدا تعالیٰ کی نصرت ان کے شامل حال تھی۔

ایک سوال کا جواب

یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ دلائل سے تو یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم دوسری انسانی کتابوں سے منبع کے لحاظ سے فضیلت رکھتا ہے مگر یہ کیونکر ثابت ہوا کہ دوسری الہامی کتابوں سے بھی افضل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ الہامی کتب سے بھی قرآن کریم افضل ہے اس لئے کہ گو وہ کتب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں لیکن بعض صفات کا ظہور ان کے زمانہ میں نہ ہوا تھا۔ مثلاً ایک زمانہ میں اگر خیانت زیادہ پھیلی ہوئی تھی تو اس زمانہ کے نبی پر اس بدی کو دور کرنے کی صفت ظاہر ہوئی۔ اگر لوگوں میں خشونت اور سختی زیادہ پائی جاتی تھی تو اس زمانہ کے نبی پر رحم اور محبت اور نرمی اور شفقت کی صفت کا ظہور ہوا۔ لیکن کوئی پہلی کتاب ایسی نہیں جو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت کی مظہر ہو۔ کوئی کتاب دو صفات کی یا چار صفات کی یا پانچ صفات کی مظہر تھی مگر کوئی کتاب رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت کی مظہر نہ تھی۔ اسی طرح کوئی کتاب قرآن کریم کی طرح اکملیت کی مظہر نہ تھی۔ کوئی کتاب خدا تعالیٰ کی صفت قیوم کی مظہر نہ تھی کیونکہ قرآن کریم سے پہلی ہر ایک کتاب منسوخ ہونے والی تھی لیکن قرآن کریم چونکہ ہمیشہ رہنے والی کتاب تھی اس لئے یہ تینوں صفات قرآن کریم میں ظاہر ہوئیں۔ جو صفات پہلی کتب میں ظاہر ہو چکی ہیں وہ بھی سب کی سب تمام کتب میں ظاہر نہ ہوئی تھیں بلکہ بعض ایک میں اور بعض دوسری میں بیان کی گئی تھیں۔ لیکن قرآن کریم میں وہ بھی سب جمع ہیں۔ پس قرآن کریم منبع کے لحاظ سے بھی افضل ہے۔

اس مضمون کو قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[۲۳] یعنی آسمان اور زمین کے کمالات ظاہر کرنے والے خدا کا شکر اور اس کی حمد ہے۔ وہ اپنے ملائکہ کو اظہار کمالات کے لئے نازل کرتا رہتا ہے اور ان کے کئی پَر ہوتے ہیں۔ یعنی وہ کئی رنگ کی پناہیں اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ جُنَاحٌ عربی زبان میں پناہ اور حمایت کو بھی کہتے ہیں۔ اور فرشتے جو نازل کئے جاتے ہیں وہ دو دو تین تین چار چار پروں والے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس قدر چاہے اپنی پیدائش میں اضافہ کر دیتا ہے۔ یعنی جیسا موقع ہوتا ہے اتنے ہی پَر زیادہ کر دیتا ہے۔

یہاں بتایا کہ سب تعریفیں اللہ کی ہیں جو زمین اور آسمانوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس

میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن کریم کے نزول میں آسمان و زمین کے کمالات کے ظہور کے سامان رکھے گئے ہیں اور اسی کے لحاظ سے ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ پس قرآن کریم کا نزول ان تمام صفات پر مشتمل ہے جن سے یہ دنیا وابستہ ہے اور فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی صفت کا ظہور اس کے ذریعہ سے ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ایک مرکز پر ساری دنیا جمع نہ ہو خدا تعالیٰ کی ہر لحاظ سے تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تبھی کہا جا سکتا ہے جب ساری دنیا کے لحاظ سے رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کی صفت کا اظہار ہو۔ اسی لئے فرمایا کہ اب جو تعلیم آئی ہے یہ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ کے مطابق آئی ہے۔ پہلے صرف دو دو تین تین چار چار کمالات ظاہر کرنے کے لئے آئی تھی پس قرآن کریم کے نزول میں زمین و آسمان کے کمالات کے ظہور کے سامان رکھے گئے ہیں۔

صفاتِ الٰہیہ اور ان کی مظہریت

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کسی کتاب میں کسی صفت کا ذکر ہونا یہ اور امر ہے اور اس کی صفت کا مظہر ہونا اور امر ہے۔ یوں تو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت اور کتب میں بھی ہے مگر وہ اس صفت کا مظہر ہونے کی مدعی نہیں ہیں۔ قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ واضح الفاظ میں فرماتا ہے وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [۲۴] یہ کتاب رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت کے ماتحت نازل ہوئی ہے۔ چونکہ یہ سارے جہان کو مخاطب کرتی ہے اس لئے ساری کی ساری صفات اس میں ظاہر کی گئی ہیں۔ پس قرآن کریم خدا تعالیٰ کی تمام صفات کا مظہر ہے۔

ظاہری حُسن میں برتری

ایک اور وجہ فضیلت (جسے میں نے بارھویں نمبر پر بیان کیا تھا) کسی چیز کا ظاہری حُسن میں دوسری اشیاء پر فائق ہونا ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک ہی قسم کی چیزوں میں سے انسان طبعی طور پر ظاہری حسن میں فائق چیز کو منتخب کرتا ہے۔ بلکہ سب سے پہلے یہی چیز انسان کی دلکشی کا موجب بنتی ہے۔ میں نے جب اس لحاظ سے دیکھا تو قرآن کریم کو ظاہری طور پر بھی خوبصورت پایا۔ بلکہ ایسا خوبصورت پایا کہ گو یورپ نے اس خوبصورتی کو مٹانے کے لئے اپنا سارا زور صرف کر دیا مگر پھر بھی وہ ناکام رہا۔ اس خوبصورتی کو مٹانے کے لئے یورپ نے چار طریق اختیار کئے ہیں۔

عیسائیوں کے چار اعتراضات

اول۔ یہ کہا گیا کہ قرآن کریم کا سٹائل (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) نہایت بھدّا ہے۔

دوم۔ یہ کہا گیا کہ اس میں بہت سے غیر عربی الفاظ داخل ہیں۔
سوئم۔ یہ کہ اس میں فضول تکرار ہے یونہی ایک بات کو دُہراتا چلا جاتا ہے۔
چہارم۔ یہ کہ اس کے مضامین میں کوئی ترتیب نہیں۔ کہیں احکام شروع ہیں تو ساتھ ہی وعظ کیا جاتا ہے۔ پھر لڑائیوں کا ذکر آجاتا ہے تو ساتھ ہی منافقوں کو ڈانٹا جاتا ہے۔

لیکن یہ اعتراض جیسا کہ میں ابھی بتاؤں گا درست نہیں بلکہ قرآن کریم کا ظاہری حُسن بھی اسے کُل دنیا کی کتب پر افضل قرار دیتا ہے اور یہ فضیلت دس خوبیوں سے ثابت ہے۔

قرآنی زبان کی فصاحت

اول زبان کی فصاحت۔ قرآن کی یہ خوبی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ دشمن سے دشمن نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے اور عربوں نے تو اس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور بڑے بڑے ادیب اس کے کمال کے آگے عاجز آگئے ہیں۔ میں اس کے متعلق دوستوں کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔

لبید عرب کا ایک مشہور شاعر تھا جو سات بڑے مشہور شاعروں میں سے ایک تھا۔ پہلے وہ اسلام کا مخالف تھا مگر بعد میں ایمان لے آیا۔ اسلام لانے کے بعد وہ ہر وقت قرآن کریم پڑھتا رہتا۔ اور اس نے شعر کہنے ترک کر دیئے۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ اپنے زمانہ خلافت میں کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کو چٹھی لکھی کہ اپنے علاقہ کے مشہور شاعروں سے اچھے اچھے اشعار لکھوا کر مجھے بھیجو۔ مغیرہ نے اس کام کے لئے دو شاعر اغلب اور لبید پسند کئے اور انہیں کہا گیا خلیفۂ وقت کا حکم آیا ہے کہ کچھ شعر لکھ کر بھیجو۔ اس پر اغلب نے تو قصیدہ لکھا لیکن لبید نے کہا۔ جب سے میں اسلام لایا ہوں میں نے شعر کہنے چھوڑ دیئے ہیں۔ جب انہیں مجبور کیا گیا تو وہ سورۃ بقرہ کی چند آئتیں لکھ کر لے آئے اور کہا کہ ان کے سوا مجھے کچھ نہیں آتا۔ مغیرہ نے لبید کو سزا دی اور اغلب کی حضرت عمرؓ کے پاس سفارش کی۔ لیکن حضرت عمرؓ کو لبید کی بات کی اتنی لذت آئی کہ انہوں نے کہا لبید نے جو کچھ کہا ہے اس سے اس کے ایمان کا ثبوت ملتا ہے کہ اتنا قادر الکلام ہونے کے باوجود شرماتا ہے کہ قرآن کے سوا کچھ اور اپنی زبان سے نکالے۔

مسیحیوں نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ کیا لبید نے پہلے کبھی قرآن نہ سنا تھا جبکہ وہ اسلام کا مخالف تھا۔ وہ دراصل لالچ کے لئے اس طرح کہتا تھا۔ لیکن اس دلیل سے عیسائیت پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ بعض دفعہ ایک انسان کئی بار انجیل پڑھتا اور عیسائیوں کے وعظ سنتا ہے مگر عیسائیت کو نہیں مانتا۔ لیکن پھر ایک وقت مان لیتا ہے تو کیا وہ لالچ سے ایمان لاتا ہے؟

یہ ایک طبعی بات ہے کہ انسان بعض اوقات ایک بات کا انکار کر دیتا ہے لیکن جب اس پر صداقت کھلتی ہے تو اسے مان لیتا ہے۔ ایسا ہر مذہب میں ہوتا ہے۔ کئی لوگ ہندو ہو جاتے ہیں۔ اب کیا انہیں کہا جاتا ہے کہ اتنے سال تو تم ہندو مذہب کا ذکر سنتے رہے اور ہندو نہ ہوئے؟ اب جو ہندو ہوئے ہو تو کسی لالچ کی وجہ سے ہوئے ہو؟ دراصل یہ بہت بودی دلیل ہے اور سوائے اس کے جو خود لالچی ہو اور کوئی پیش نہیں کر سکتا۔

یوں تو دنیا میں بڑی اچھی اچھی کتابیں لکھی جاتی ہیں اور ان کی قبولیت بھی ہوتی ہے۔ مگر دیکھنا یہ چاہئے کہ کیا کوئی ایسی کتاب لکھی گئی ہے جس کے لکھنے والے نے پہلے ہی یہ اعلان کر دیا ہو کہ یہ سب سے افضل اور اعلیٰ ہوگی اور اس کی قبولیت لوگوں میں پھیل جائیگی۔ یورپین لوگ کہتے ہیں شیکسپیئر جیسا کلام کوئی نہیں لکھ سکتا۔ گو خدا کی قدرت ہے جب سے قرآن پر یورپین اعتراض کرنے لگے ہیں ایسی سوسائٹیاں بھی بن گئی ہیں جو شیکسپیئر کی تحریروں پر اعتراض کرتی ہیں۔ لیکن اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ اچھا لکھنے والا تھا تو دیکھنا یہ چاہئے کہ کیا لکھتے وقت اس نے کہا تھا کہ اس کا کلام تمام کلاموں سے افضل رہے گا۔ اس نے یقیناً ایسا نہیں کہا۔ مگر قرآن نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس کتاب کا مقابلہ کرنے سے دنیا عاجز رہے گی۔ میں نے بینٹ کی ایک کتاب پڑھی ہے۔ جس میں اس نے لکھا ہے کہ جب میں نے یہ کتاب لکھی تو سمجھا کہ بہت مقبول ہوگی مگر چھاپنے والوں نے اس کی اشاعت میں لَیت و لَعَل کیا اور پبلک نے بھی قدر نہ کی۔ پس کوئی لکھنے والا نہیں جانتا کہ اس کی کتاب مقبول ہوگی یا نہیں۔ مگر قرآن نے پہلے سے کہہ دیا تھا کہ یہ کتاب تمام کتب سے افضل ہے اور ہمیشہ افضل رہے گی۔

پھر عرب وہ ملک تھا جس کا تمام کمال زبان دانی پر تھا۔ اس ملک میں قرآن آیا اور ان لوگوں کی زبان میں آیا۔ اور پھر اس نے ایسا تغیر پیدا کر دیا کہ عربوں کا طرز کلام ہی بدل ڈالا۔ اور انہوں نے قرآن کی طرز اختیار کر لی۔ ان کی طرز تحریر بدل گئی۔ پرانا سٹائل جاتا رہا اور قرآن کریم کے سٹائل پر ہی سب چلنے لگے۔

بعض لوگ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ قرآن کریم کو ماننے والوں نے ایسا کرنا ہی تھا۔ میں کہتا ہوں بائیبل، انجیل اور ویدوں کے ماننے والوں نے کیوں ایسا نہ کیا۔ وہ بھی تو ان کتابوں کو خدا کی طرف سے مانتے تھے۔

قرآن کریم میں غیر زبانوں کے الفاظ

یہ اعتراض کہ قرآن میں غیر زبانوں کے الفاظ آ گئے ہیں یہ بھی درست نہیں۔ کوئی زبان خواہ وہ نئی ہو یا پرانی غیر زبانوں کے الفاظ سے پاک نہیں ہو سکتی۔ اعتراض تب ہوتا جب عربی زبان میں وہ الفاظ جاری نہ ہوتے اور عرب کہتے کہ ہم ان الفاظ کو سمجھ نہیں سکتے۔ جب عرب قرآن کے الفاظ کو سمجھ جاتے تھے اور مکہ والے سمجھ لیتے تھے عرب میں وہ الفاظ جاری تھے اور وہ الفاظ عربی زبان کا ایک حصہ ہو چکے تھے تو خواہ وہ غیر زبان کے ہی ہوں کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں اگر قرآن نے ہی وہ الفاظ عربی میں داخل کئے ہوں تب بھی یہ قرآن کی بہت بڑی طاقت کی علامت ہے کہ وہ الفاظ عربوں میں رائج ہو گئے۔ کیونکہ جو قادر الکلام نہ ہو اس کی بات چل نہیں سکتی۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ اگر کوئی قادر الکلام اپنے کلام میں غلطی بھی کرے تو اسے ایجاد کہیں گے غلطی نہیں کہیں گے۔ کیونکہ وہ زبان پر عبور رکھتا ہے۔ پس اگر قرآن میں نئے الفاظ آئے اور وہ عربی زبان کا جزو بن گئے تو یہ قرآن کا اور زیادہ معجزہ ہے۔ مگر یہ درست نہیں کہ غیر زبانوں کے الفاظ قرآن میں آئے ہیں۔ دراصل یہ دھوکا اس وجہ سے لگا ہے کہ عربی اور عبرانی زبان کے بعض الفاظ آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ بلکہ بعض محاورات بھی آپس میں مل گئے ہیں۔ اس سے یہ غلط طور پر سمجھ لیا گیا کہ قرآن میں غیر زبانوں کے الفاظ آ گئے ہیں۔ مثلاً فُرْقَان ایک لفظ ہے۔ اس کے تمام مشتقات عربی میں موجود ہیں۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ قرآن نے یہ لفظ باہر سے لیا ہے غلط ہے۔ اسی طرح رَحْمٰنُ کے متعلق اعتراض کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی عربی لفظ ہے۔

لفظ رَحْمٰن کی حقیقت

اصل بات یہ ہے کہ محققین یورپ کو یہ دھوکا قرآن کریم کی اس آیت سے لگا ہے کہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ۔ ۲۵ یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدائے رحمٰن کے سامنے سجدہ میں گر جاؤ تو وہ کہتے ہیں ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہوتا ہے۔ معترضین کہتے ہیں۔ یہ آیت اس بات کی سند ہے کہ غیر زبان کے الفاظ قرآن میں آئے ہیں۔ کیونکہ عرب کے لوگ کہتے ہیں ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہوتا ہے۔ اگر یہ غیر زبان کا لفظ نہ ہوتا تو وہ کیوں ایسا کہتے حالانکہ معترضین اس آیت کے معنے ہی نہیں سمجھے۔ کفار کا اعتراض لفظ رَحْمٰن پر نہیں تھا بلکہ اس اصطلاح پر تھا جو قرآن نے رَحْمٰن کے لفظ کے ذریعہ پیش کی تھی۔ قرآن نے یہ نئی اصطلاح پیش کی تھی

جو عربوں میں رائج نہ تھی۔ جیسے صَلٰوۃ عربی لفظ ہے مگر اصطلاحی صلوٰۃ قرآن نے پیش کی ہے۔ اس کے متعلق بھی کفار کہہ سکتے تھے کہ ہم نہیں جانتے صلوٰۃ کیا ہوتی ہے۔

پس ان لوگوں کا اعتراض در حقیقت اسلامی اصطلاح پر تھا۔ اور انہوں نے یہ کہا کہ اس کا جو مطلب قرآن پیش کرتا ہے وہ ہم نہیں جانتے اور اصطلاح جدید علم جدید کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ایک طرف تو قرآن میں آتا ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ[۲۶] یعنی ہم نے ہر ایک رسول کو اسکی قوم کی زبان میں ہی وحی دیکر بھیجا ہے۔ اور دوسری طرف سورۃ ہود میں آتا ہے۔ مخالفین نے حضرت شعیبؑ سے کہا۔ یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ[۲۷] اے شعیب! ہماری سمجھ میں تیری اکثر باتیں نہیں آتیں۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کسی ایسی زبان میں باتیں کرتے تھے جسے وہ لوگ سمجھ نہ سکتے تھے بلکہ یہ ہے کہ جو دینی باتیں وہ بیان کرتے تھے اور جو جو مسائل وہ پیش کرتے تھے انہیں وہ لوگ نہیں سمجھتے تھے۔

اہلِ عرب میں رَحْمٰن کا استعمال

وہ الفاظ جو قرآن نے استعمال کئے ہیں وہ ان لوگوں میں پہلے سے موجود تھے۔ چنانچہ رَحْمٰن کا لفظ بھی ان میں استعمال ہوتا تھا۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ وَقَالُوْا لَوْشَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ[۲۸] یعنی وہ کہتے ہیں کہ اگر رَحْمٰن کا یہی منشاء ہوتا کہ ہم شرک نہ کریں تو ہم شرک نہ کرتے۔ غرض رَحْمٰن کا لفظ وہ بولا کرتے تھے مگر قرآن کریم نے رَحْمٰن اس ہستی کو قرار دیا ہے جو بغیر محنت کے انعام دیتی ہے۔ اور یہ بات وہ لوگ نہیں مانتے تھے کیونکہ اس کے ماننے سے ان کا شرک باطل ہو جاتا تھا۔ غرض وَمَا الرَّحْمٰن کے یہ معنی نہیں کہ عرب کے لوگ رَحْمٰن کا لفظ نہیں جانتے تھے بلکہ یہ ہیں کہ وہ اس اصطلاح کے قائل نہ تھے جو قرآن نے پیش کی۔ بہر حال قرآن کریم کی فصاحت اس کے حسن کا ایک روشن ثبوت ہے۔ اور پھر قرآن کریم کی یہ فصاحت ایسی بڑھی ہوئی ہے کہ آج تک علمِ ادب پر اس کا اثر ہے اور زبانِ عربی کی ترقی کو اس نے ایک خاص لائن پر چلا دیا ہے۔ حتیٰ کہ عرب مسیحی مصنف بھی قرآن کی تعریف کرتے تھے اور ان کے مدارس میں قرآن کریم کے ٹکڑے بطور ادب کے رکھے جاتے تھے۔ ایک جاہل ملک میں ایک کتاب کا لوگوں کو والہ و شیدا بنا دینا اور انہیں جاہل سے عالم کر دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

قرآن کی اعلیٰ درجہ کی ترتیب

قرآن کریم کی دوسری ظاہری خوبی اس کی اعلیٰ درجہ کی ترتیب ہے۔ ترتیب کا اعلیٰ ہونا بذات خود روحانیت سے تعلق نہیں رکھتا کیونکہ مجرد ترتیب انسانی کلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ترتیب ایک ظاہری خوبی ہے جو کسی کلام کو خوبصورت بنا دیتی ہے۔ اور اس خوبی کے لحاظ سے بھی قرآن کریم تمام دوسری کتب سے افضل ہے۔ بظاہر وہ ایک بے ترتیب کلام نظر آتا ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک اعلیٰ درجہ کی ترتیب موجود ہے بلکہ جہاں سب سے بڑھ کر بے ترتیبی نظر آتی ہے وہاں سب سے زیادہ ترتیب ہوتی ہے۔ اور یہی اس کی بہت بڑی خوبی ہے۔ دنیا میں کوئی انسان ایسی کتاب نہیں لکھ سکتا جو بظاہر تو بے ترتیب ہو مگر غور کرنے سے اس میں اعلیٰ درجہ کی ترتیب پائی جاتی ہو۔ پس اس حُسن میں بھی قرآن کریم نہ صرف دوسری کتب کے مشابہ ہے بلکہ ان سے افضل ہے۔ اس وجہ سے کہ معروف ترتیب کی اتباع کرنا ایک عام بات ہے۔ ہر عقلمند ایسا کر سکتا ہے لیکن قرآن کریم کی ترتیب میں بعض ایسی خصوصیات ہیں جو دوسری کتب میں نہیں اور وہ خصوصیات یہ ہیں۔

ترتیبِ قرآن کی چند خصوصیات

اول۔ اس کی ترتیب بظاہر مخفی ہے مگر غور اور تأمّل سے ایک نہایت لطیف ترتیب معلوم ہوتی ہے اور کسی انسانی کتاب میں اس قسم کی ترتیب کی مثال نہیں ملتی کہ بظاہر ترتیب نہ ہو لیکن غور کرنے پر ایک مسلسل ترتیب نظر آئے جو نہایت لطیف اور فلسفیانہ ہو۔

اس وقت میں قرآن کریم کی ترتیب کے متعلق مثالیں دینے سے معذور ہوں۔ کیونکہ جس مقام کی بھی میں ترتیب بیان کروں گا کہا جا سکتا ہے کہ یہ مقام خاص طور پر چُن لیا گیا ہے۔ میں نے بعض دوستوں سے کہا تھا کہ وہ کوئی مثال ایسی چُن دیں جس کی ترتیب عام لوگوں کو معلوم نہ ہو اور جو بے جوڑ فقرے نظر آتے ہوں مگر افسوس ہے کہ ان کا مطالعہ وسیع نہ تھا اس لئے وہ کوئی مثال پیش نہ کر سکے اور میں خود سردرد کی وجہ سے ایسا مقام نہ نکال سکا ورنہ بتاتا کہ قرآن کریم میں کیسی اعلیٰ درجہ کی ترتیب پائی جاتی ہے۔

دوم۔ قرآن کریم بغیر اس کے کہ ترتیب کی طرف اشارہ کرے علم النفس کے ماتحت اپنے مطالب کو بیان کرتا ہے اور جو سوال یا جو ضرورت کسی موقع پر پیش آتی ہے اس کا اگلی عبارتوں میں جواب دیتا ہے۔ گویا اس کی ہر اگلی آیت میں پچھلی آیات کے مطابق جو سوال پیدا

ہوتے ہیں ان کا جواب دیا جاتا ہے۔ اور یہ باریک ترتیب اور کسی کتاب میں نہیں ہے۔ بائبل کے متعلق لوتھر لکھتا ہے:۔

"The Gospels do not keep order in their account of miracles and deeds of jesus. This is of small moment. When there is dispute about Holy Writ and no comparison is possible let the matter drop. [۲۹]

Emile Ludwidg in his book "son of man" says, "Almost all the contradictions arise out of the disorderly nature of the reports." [۳۰]

The Gospels,the four main sources of Knowledge, contradict one an other in many respects and are upon some points contradicted by the scanty non-Christians authoriteis." [۳۱]

Moreover there is confusion in serial arrangement, a confusion which has been deplored through- out centuries. [۳۲]

یعنی بائبل میں ترتیب واقعات کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ پس اس کے بیانات کے بارہ میں جب کوئی جھگڑا پیدا ہو اور سلجھاؤ کی کوئی صورت دکھائی نہ دے تو اسے چھوڑ دینا چاہئے۔

اِیمل لُڈوِگ (EMIL LUDWIDG) نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ بیان کرتا ہے کہ موجودہ انجیل ہمیں بالکل بے ترتیب نظر آتی ہے۔ وہ اپنی کتاب "ابن آدم" میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ انجیل میں ہمیں جو بھی تضاد نظر آتا ہے وہ واقعات کے بے ترتیبی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اناجیل جو ہمارے علم کے چار بڑے چشمے ہیں کئی امور میں ایک دوسرے کے مخالف بیانات کی حامل ہیں اور غیر عیسائی محققین نے بھی انہیں متضاد قرار دیا ہے' اس کے علاوہ ان کی ترتیب میں اس قدر اُلجھنیں ہیں کہ صدیوں سے خود مسیحی اس پر افسوس کا اظہار کرتے چلے آرہے ہیں۔

اسی طرح ویدوں کو پڑھا جائے تو وہاں بھی ترتیب کا کچھ پتہ نہیں لگتا اور یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ ایک واقعہ کا دوسرے واقعہ سے کیا جوڑ ہے۔

مختصر آیات میں حقائق و معارف کی کثرت

تیسری خوبی جو قرآن کریم کے ظاہری حُسن کو نمایاں کرتی ہے وہ اس کے مضامین کا باوجود اختصار کے مفصّل ہونا ہے۔ چنانچہ ایک ایک آیت کئی کئی مطالب بیان کرتی چلی جاتی ہے۔ اور پھر اس میں علم کلام، علم تاریخ، علم اوامر اور علم نواہی سب ایک ہی وقت میں کام کر رہے ہوتے ہیں اور آئندہ کے لئے پیشگوئیاں بھی ہوتی ہیں۔ اس خوبی کی وجہ سے ایک طرف تو قرآن کریم نہایت مختصر ہے اور دوسری طرف جو اس میں عظیم الشان مطالب بیان ہیں وہ بائیبل اور دوسری الہامی کتب میں مل ہی نہیں سکتے۔ اس کی ایک مثال میں نے ابھی دی ہے کہ ایک چھوٹی سی آیت میں تین عظیم الشان پیشگوئیاں بیان کی گئی ہیں لیکن اس کے علاوہ قرآن کریم کا کوئی مقام لے لو یہ بات واضح ہو جائے گی۔ میں اس کے مزید ثبوت کیلئے پھر پہلی آیت کو ہی لے لیتا ہوں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ کی لطیف تفسیر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔ ان چند آیات میں پہلے تاریخ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ فرمایا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ پڑھ اس کلام کو۔ مگر جب پڑھنے لگو تو یہ کہہ لینا کہ میں اللہ کا نام لے کر اسے پڑھتا ہوں۔ اس میں استثنا باب ۱۸ کی آیت ۱۸، ۱۹ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو یہ ہے کہ:۔

> ”میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا۔ وہ سب ان سے کہے گا۔ اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لونگا۔“ [۳۳]

پس بِاسْمِ رَبِّکَ میں موسیٰؑ کی اس پیشگوئی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ کے مثیل موسیٰؑ ہونے کا دعویٰ پیش کیا گیا ہے اور نبوت کے تسلسل کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر اِقْرَاْ میں تبلیغ کے واجب ہونے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کئی کلام ایسے ہوتے ہیں جو خود پڑھنے والے کے لئے ہوتے ہیں، دوسروں کو سنانے کیلئے نہیں ہوتے۔ مگر اس کلام کے متعلق فرمایا یہ

ساری دنیا کے لئے ہے' جا اور اسے سنا۔ اس میں تبلیغ اسلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

تیسری بات رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ میں یہ بتائی کہ اس کلام کے پیش کرنے میں تمہیں بہت سی مشکلات پیش آئیں گی مگر تُو اس ربّ کا نام لے کر پڑھ جس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اس میں یہ اشارہ کیا کہ یہ کلام صرف بنی اسرائیل کیلئے یا اہل ہنود کیلئے نہیں یہ اَلْاِنْسَان کیلئے ہے اور جب ایک قوم کو مخاطب کرنے والوں کو دکھ اور تکالیف اٹھانی پڑیں تو تم جو ساری دنیا کو مخاطب کر رہے ہو تمہیں کس قدر مشکلات پیش آئیں گی۔ مگر کسی بات سے ڈرنا نہیں یہ کلام تیرے رب کی طرف سے آیا ہے اور باوجود اس کے کہ ساری دنیا اس کی مخاطب ہے اور اس وجہ سے ساری دنیا تیری مخالف ہوگی تیرا رب تیرے ساتھ ہوگا۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا کہ تیری آہستہ آہستہ ترقی ہوگی کیونکہ رب آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ ترقی دینے والے کو کہتے ہیں۔

چوتھی بات یہ بیان کی کہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اس میں ایک تو اس طرف توجہ دلائی کہ اے انسان! دیکھ تیری پیدائش کتنی ادنیٰ ہے پھر تو خیال بھی کس طرح کر سکتا ہے کہ اپنی کامیابی کے ذرائع خود معلوم کر لے گا۔ دوسرے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرف توجہ دلادی کہ انسان کو عَلَق سے پیدا کیا گیا ہے یعنی اس میں قدرتی طور پر تعلق باللہ کا مادہ رکھا گیا ہے۔ اور یہ بات تمہاری معاون ہوگی۔ پس تمہیں گھبرانا نہیں چاہئے اور مایوسی کو کبھی اپنے قریب بھی نہیں آنے دینا چاہئے۔

غرض ایک چھوٹی سی آیت میں تاریخ' علم کلام' تبلیغ' انسان کی پیدائش اور انسان کی مخفی طاقتوں کا ذکر کر دیا۔ اور ابھی یہ باتیں ختم نہیں ہوئیں اور بھی کئی علوم کا اس میں ذکر ہے۔

قرآن کریم کی مقفّٰی عبارت

چہارم قرآن کریم کی عبارت مقفّٰی ہوتی ہے۔ قافیہ بندی کے ساتھ اگر مضمون خراب ہو جائے تو وہ مقفّٰی عبارت بُری معلوم ہوتی ہے۔ لیکن قرآن کریم کی عبارت باوجود مقفّٰی ہونے کے ایسی ہے جس سے صرف مضمون کی عظمت ہی قائم نہیں ہوتی بلکہ نئے نئے معارف بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کی مثال کے طور پر سورۃ جمعہ کو لے لیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ۔ ھُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ [۳۴]

دیکھو کس طرح ان آیات میں توازن کو قائم رکھا گیا ہے۔ یہ ہے تو نثر مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اشعار ہیں۔ مگر باوجود اس کے کوئی لفظ زائد نہیں۔ شاعر تو مضمون کے لحاظ سے الفاظ کو آگے پیچھے کرنے پر مجبور ہوتے ہیں مگر یہاں ایسا نہیں کیا گیا۔

یہ آیتیں اس زمانہ کے متعلق ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ شعر ہیں۔ وزن قائم رکھنے کے لئے ان میں توازن کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور مقفّی عبارت ہے مگر ترتیب خراب نہیں ہوئی۔ نہ کوئی زائد چیز آئی ہے' ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر ہے۔

سورۃ جمعہ کی ابتدائی آیات کی تفسیر

خدا تعالیٰ فرماتا ہے يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ہر ایک چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہے خواہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ یعنی ہر چیز ثابت کرتی ہے کہ خدا بے عیب ہے۔ اَلْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔ وہ مَلِک ہے' قدوس ہے' عزیز ہے' حکیم ہے۔ یہاں قافیہ کے لحاظ سے حکیم پیچھے آیا ہے۔ اگر ملک پیچھے آتا تو وزن قائم نہ رہتا۔ آگے اسی ترتیب سے مضمون چلتا ہے۔ پہلی صفت خدا تعالیٰ کی یہ بیان کی تھی کہ وہ اَلْمَلِك یعنی بادشاہ ہے۔ اور بادشاہ کا یہ کام ہوتا ہے کہ رعایا کی بہتری اور بہبودی کے احکام جاری کرے۔ اس لئے فرمایا هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ جب خدا تعالیٰ ساری دنیا کا بادشاہ ہے تو اس نے اپنی رعایا کو احکام پہنچانے کیلئے امیین میں ایک رسول بھیجا اور اپنا نائب مقرر کیا مگر یہ نائب باہر سے مقرر نہیں کیا بلکہ تم میں سے ہی بھیجا۔

دوسری صفت یہ بیان کی تھی کہ وہ اَلْقُدُّوْس ہے اس کے متعلق فرمایا يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہر ایک چیز پاکیزہ ہو اس لئے اس نے رسول کو اپنی آیات دے کر بھیجا تاکہ وہ آیات لوگوں کو سنائے اور ان میں دماغی اور روحانی پاکیزگی پیدا کرے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی آیات سکھا کر انسانی دماغ کو پاک کرے اور پھر يُزَكِّيْهِمْ ان کے اعمال کو پاک کرے۔

تیسری صفت یہ بیان کی تھی کہ اَلْعَزِيْز وہ غالب ہے۔ اس کے لئے فرمایا۔

وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ۔ ان کو کتاب سکھائے۔ یہ سیدھی بات ہے کہ کوئی بات وہی سکھا سکتا ہے جس کے شاگرد ہوں۔ چونکہ **عَزِیْز** کے معنی غالب کے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں یہ رکھا کہ اس رسول کو ہم ایک جماعت دیں گے جسے یہ سکھائیگا اور اسے دنیا پر غلبہ بخشے گا۔ کیونکہ میں اسے اپنی صفت عزیز کے ماتحت بھیج رہا ہوں۔

چوتھی صفت **اَلْحَکِیْم** بیان کی تھی۔ اس کے متعلق فرمایا **وَالْحِکْمَۃَ** کہ وہ حکمت سکھائے گا۔ **وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ** اور گو اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے مگر پھر بھی یہ رسول اس کتاب کو منوالے گا۔

اس کے بعد فرمایا **وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ**۔ یہ رسول کچھ اور لوگوں کو بھی سکھائے گا جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ **وَ ھُوَالْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ** اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ ممکن ہے کوئی کہے کہ قرآن کی عبارت تو مقفّٰی بتائی جاتی ہے لیکن یہ ترتیب کیسی ہے کہ انہیں الفاظ کو پھر دُہرا دیا گیا ہے جو پہلے آچکے ہیں اور بغیر ضرورت کے صرف قافیہ بندی کے لئے لائے گئے ہیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہی الفاظ آنے چاہئیں تھے۔ اس کی وجہ ہے کہ جب کہا گیا **وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ** کہ یہ رسول ایک اور جماعت کو بھی سکھائے گا جو ان لوگوں سے نہیں ملی تو گویا بتایا کہ ان لوگوں میں اور اس جماعت میں ایک وقفہ ہو گا۔ اور دوسرے لوگ کچھ مدت کے بعد آئیں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک عرصہ گذرنے کے بعد مسلمانوں میں سے قرآن مٹ جائیگا اور پھر بعد میں آنے والوں کو سکھایا جائے گا۔ ورنہ اگر وقفہ نہیں پڑنا تھا تو یہ بات بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پیچھے آنے والے آخر پہلوں سے ہی سیکھا کرتے ہیں۔ اس کے ذکر کی یہی وجہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا تھا جس میں قرآن دانی مٹ جانی تھی۔ اور پھر محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ دنیا کو قرآن سکھایا جانے والا تھا۔

اب یہ صاف بات ہے کہ درمیانی وقفہ کسی نقص کی وجہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ اور اس نقص کے ازالہ سے ہی اس امر کو دوبارہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ پس دوبارہ **عَزِیْز وَ حَکِیْم** کہہ کر بتایا کہ یہ وقفہ دشمنان اسلام کے غلبہ ظاہری اور ان کی علمی اور فلسفی اور سائنس کی ترقی کی وجہ سے ہو گا۔ اور مسلمان ان سے متأثر ہو کر قرآن کو چھوڑ دیں گے۔ مگر پھر خدا تعالیٰ ان کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ کیونکہ وہ عزیز ہے۔ چونکہ دوسروں کو حکومت ملنی تھی اور اس سے

مسلمانوں پر رعب چھا جاتا تھا اور ایسے علوم نکل آنے تھے جن کی وجہ سے اسلام پر حملہ کیا جاتا اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس وقت بھی اپنی صفات عزیز اور حکیم کا اظہار کریں گے اور مسلمانوں کو دوسروں کے مقابلہ میں غلبہ دیں گے۔ اور ان علوم کا بھی رد کریں گے جو قرآن کے مقابلہ پر آئیں گے۔ کیونکہ اصل غلبہ اللہ تعالیٰ کو ہے اور علوم اس کے بھیجے ہوئے ہیں۔ پس وہ باوجود ان فتن کے رسول کریم ﷺ کی تعلیم کو دوبارہ دنیا میں قائم کر دے گا۔

غرض ان الفاظ کا تکرار صرف مقفی عبارت کیلئے نہیں بلکہ عین اس ترتیب کے ماتحت ہے جس کی یہاں ضرورت تھی۔

قرآنی آیات کا لطیف توازن

(۵) پھر قرآن کریم کی ایک ظاہری خوبی اس کے الفاظ کا لطیف توازن ہے کہ بظاہر نثر ہے مگر نظم کے مشابہ ہے اور یہ امر اس کی عبارت کو ایسا خوبصورت بنا دیتا ہے کہ کوئی اور کتاب اب تک اس کی نقل نہیں کر سکی خواہ وہ ناقص نقل ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بھی قرآن کریم کی ایک بہت بڑی خوبی ہے۔ چونکہ قرآن کریم حفظ کیا جانا تھا اس لئے ضروری تھا کہ یا تو اشعار میں ہوتا یا اشعار سے ملتا جلتا ہوتا۔ قرآن کریم کو خدا تعالیٰ نے ایسے انداز میں رکھا کہ جس قدر جلدی یہ حفظ ہو سکتا ہے اور کوئی کتاب نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ توازن الفاظ ہی ہے اور پڑھتے وقت ایک قسم کی ربودگی انسان پر طاری ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم میں ذکر الٰہی کی کثرت

(۶) چھٹی خوبی قرآن کریم کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر کی اس میں اتنی کثرت ہے کہ جب انسان قرآن کھولتا ہے تو اسے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سارے کا سارا قرآن ہی خدا تعالیٰ کے ذکر سے پُر ہے۔ چنانچہ مکہ کے کئی مخالف جو سخت دشمن ہوا کرتے تھے جب کبھی رسول کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھ جاتے تو کہتے وہاں تو اللہ تعالیٰ کا ہی ذکر ہوتا رہتا ہے۔ غرض قرآن کریم نے اس طرح عظمت الٰہی کو بار بار بیان کیا ہے کہ انسان اس امر کو محسوس کئے بغیر نہیں رہتا۔ اور ہر خدا تعالیٰ سے محبت رکھنے والا دل اس کثرت سے ذکر الٰہی کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ایک فرانسیسی مصنف لکھتا ہے۔ محمد کے متعلق خواہ کچھ کہو لیکن اس کے کلام میں خدا ہی خدا کا ذکر ہے۔ وہ جو بات پیش کرتا ہے اس میں خدا کا ذکر ضرور لاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کا عاشق ہے۔ یہ مخالفین کی قرآن کریم کے متعلق گواہی ہے کہ وہ ذکر الٰہی سے بھرا ہوا

ہے۔ اور ذکر الٰہی ہی مذہب کی جان ہے۔ لیکن دوسری کتب اس سے عاری ہیں اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت کو ضائع کرتی ہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں بندوں کے قصے کہانیاں زیادہ ہیں اور اللہ کا ذکر کم ہے۔

سخت کلامی سے مبرّا کتاب

ساتویں خوبی قرآن کریم کی یہ ہے کہ وہ سخت کلامی سے مبرّا ہے اور یہ بھی حسن کلام کی ایک قسم ہے۔ کوئی نہیں جو یہ کہہ سکے کہ اس میں گالیاں ہیں۔ پھر نہ صرف قرآن سخت کلامی سے مبرا ہے بلکہ نہایت لطیف اور دلنشیں پیرایہ میں یہ نصیحت کرتا ہے کہ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ [۳۵] یعنی تم ان معبودان باطلہ کو گالیاں مت دو جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کرتے ہیں۔ اور اگر تم ان کو گالیاں دو گے تو وہ اللہ کو گالیاں دیں گے بغیر یہ سمجھنے کے کہ اللہ تو سب کا ہے۔

پھر فرماتا ہے كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ [۳۶] اسی طرح ہم نے ہر ایک قوم کے لئے اس کے عمل خوبصورت کر کے دکھائے ہیں۔ یعنی یہ نہ سمجھا جائے کہ چونکہ ان لوگوں کے معبود جھوٹے ہیں اس لئے انہیں بُرا بھلا کہنے میں کیا حرج ہے۔ یہ لوگ اب شرک کے عادی ہو چکے ہیں اور آہستہ آہستہ اپنے اس بُرے کام کو بھی اچھا سمجھنے لگ گئے ہیں اس لئے اگر تم انہیں گالیاں دو گے تو فتنہ پیدا ہو گا اور یہ لوگ خدا تعالیٰ کو گالیاں دینے لگ جائیں گے۔

کیا ہی لطیف نکتہ قیام امن کے متعلق بیان کیا کہ کسی کے بزرگوں اور قابل تعظیم چیزوں کو بُرا بھلا نہ کہا جائے کیونکہ اس سے آپس کے بہت سے جھگڑے اور فساد رک سکتے اور بہت اچھے تعلقات پیدا ہو سکتے ہیں۔

فحش کلامی اور ہر قسم کی بد اخلاقی سے منزّہ کتاب

آٹھویں ظاہری خوبی قرآن کریم میں یہ ہے کہ وہ فحش کلامی اور ہر قسم کی بد اخلاقی کی تعلیم سے منزّہ ہے۔ یعنی اس میں کوئی ایسی بات نہیں جسے پڑھ کر طبیعت منغض ہو جائے یا شرمائے یا بد اخلاقی معلوم ہو۔ قرآن کریم ایک شریعت کی کتاب ہے۔ اور بوجہ شریعت ہونے کے اسے ایسے مضامین پر بھی بحث کرنی پڑتی ہے جو نہایت نازک ہوتے ہیں مگر وہ اس طرح ان کو بیان کر جاتا ہے کہ جن کو پڑھ کر جو واقف ہے وہ تو سمجھ جائے اور جس کی عمر ابھی سمجھنے کی نہیں اسے خاموش گذار دیا جائے۔ مثلاً اس میں مرد اور عورت کے تعلقات کا

ذکر ہے۔ طہارت اور پاکیزگی کے متعلق احکام بیان ہیں۔ مگران احکام کو ایسی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے کہ بات بھی کہہ دی گئی ہے اور عُریاں الفاظ بھی استعمال نہیں کئے گئے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں دوسری کتابوں میں ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن کو پڑھتے ہوئے شرم آجاتی ہے۔ جیسا کہ پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۱ تا ۳۸ میں حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ایک گندے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ یہاں عورتیں بھی بیٹھی ہیں اس لئے میں اس حوالہ کو نہیں پڑھتا۔ احباب بائیبل سے اس حوالہ کو خود پڑھ لیں۔ انجیل میں فحش تو نہیں مگر ایک بات اس میں بھی ایسی ہے جو بچوں کے اخلاق پر بُرا اثر ڈالتی ہے۔ اور وہ یہ کہ متی باب ۱۲ میں لکھا ہے۔

"جب وہ (مسیح) بھیڑ سے یہ کہہ ہی رہا تھا تو دیکھو اس کی ماں اور بھائی باہر کھڑے تھے اور اس سے باتیں کرنی چاہتے تھے۔ کسی نے اس سے کہا۔ دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے باتیں کرنی چاہتے ہیں۔ اس نے خبر دینے والے کو جواب میں کہا۔ کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی۔ اور اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ دیکھو میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور بہن اور ماں ہے۔" ۳۷

حضرت مریمؑ حضرت مسیحؑ پر ایمان لانے والی تھیں مخالف نہ تھیں مگر باوجود اس کے انجیل کے بیان کے مطابق آپ نے ان کی پرواہ نہ کی۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ ماں باپ خواہ مخالف ہوں، ان کی عزت و توقیر کرنا تمہارا فرض ہے۔

پھر رگوید جلد اول کتاب ۴ دعا ۱۸ میں اِندر دیوتا کی پیدائش کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

Not this way go I forth: hard is the passage. Forth from the side obliquely will I issue. Much that is yet undone must I accomplish. ۳۸

یعنی اِندر نے اپنی پیدائش کے وقت کہا۔ میں ماں کی پسلیوں میں سے نکل کر جاؤں گا۔

اسی طرح اتھروید جلد اول کتاب ۳ دعا ۲۵ میں عملِ حُبّ بتایا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اے عورت تُو چوری چھپے اپنے ماں باپ کے گھر سے نکل کر بھاگ چل۔

اتھروید جلد اول کتاب ۵ دعا ۲۵ صفحہ ۲۲۹۔۲۳۰ میں لڑکا پیدا ہونے کے متعلق نہایت فحش دعا درج ہے۔ پھر مرد عورت کے تعلقات کا ایسا گندہ نقشہ کھینچا گیا ہے کہ کوئی ماں باپ

اپنے لڑکے لڑکیوں کو پڑھنے کے لئے ایسی کتاب نہیں دے سکتے۔ لیکن قرآن کریم شروع سے لے کر آخر تک ایسی پاک زبان میں ہے کہ بڑے سے بڑا دشمن بھی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

ظاہر سے باطن کی طرف لے جانے والا کلام

نویں خوبی قرآن کریم کی یہ ہے کہ وہ ظاہر سے باطن کی طرف لے جاتا ہے۔ کہیں چلتے پانیوں سے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہیں برستے بادلوں کا ذکر کر کے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کہیں چمکتی بجلی میں خدا تعالیٰ کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہیں دفن ہونے والے مُردوں کا ذکر کر کے خدا تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہیں پیدا ہونے والے بچوں کا حوالہ دیکر قدرتِ خدا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہیں نجاستوں اور گندوں کا ذکر کر کے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت بتائی گئی ہے۔ کہیں پاکیزگی کی ترغیب اور تحریص دلانے کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ غرض قرآن پڑھ کر انسانی فطرت بول اٹھتی ہے کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے انسانی قلب کا نقشہ کھینچ رہا ہے۔ لیکن دوسری کتب میں اس طرح قانونِ نیچر کی طرف توجہ نہیں دلائی گئی۔

جذباتِ انسانی سے اپیل

دسویں خوبی قرآن کریم کی یہ ہے کہ وہ انسان کے اعلیٰ جذبات سے اپیل کرتا ہے۔ انسانی پیدائش کی خوبیاں بتاتا ہے۔ انسانی طاقتوں اور قوتوں کا ذکر کرتا ہے اور تحریک کرتا ہے کہ ان سے کام لو اور ترقی کرو۔ اس کے ساتھ ہی یہ بتاتا ہے کہ ان باتوں سے بچو ورنہ ترقی سے محروم رہ جاؤ گے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن سے ہر سلیم الفطرت انسان متأثر ہوتا ہے۔

غرض ظاہری حسن میں بھی قرآن کریم ایک افضل کتاب ہے اور اس کی عبارت کو پڑھ کر انسان متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ ہاں جو لوگ قصوں کے شیدا ہیں ان پر اس کی عبارت بیشک گراں گذرتی ہے۔

قرآن کریم میں تکرار پائے جانے کا اعتراض

قرآن کریم کی ظاہری خوبیوں کے متعلق جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کے میں جواب دے چکا ہوں۔ اب ایک اعتراض باقی رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ قرآن ایک ایک فقرہ کو بار بار دُہراتا ہے۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ دہرانے کا اعتراض قرآن کریم پر

عیسائیوں اور ہندوؤں کی طرف سے کیا جاتا ہے لیکن خود ان کی الہامی کتابیں اس کی زد میں آتی ہیں۔ بائیبل میں کئی باتیں بار بار دہرائی گئی ہیں۔ چاروں اناجیل میں تکرار موجود ہے۔ وہی بات جو متی کہتا ہے مرقس، لوقا اور یوحنا بھی اسی کو دُہراتے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں کی کتابوں میں تکرار پایا جاتا ہے۔ مثلاً اتھروید جلد اول کتاب ۲ دعا ۲۷ اور رگ وید جلد اول کتاب اول دعا ۹۶ میں تکرار موجود ہے۔ اگر تکرار قابلِ اعتراض بات ہے تو ان پر بھی کیوں اعتراض نہیں کیا جاتا۔

قرآن کریم پر یہ اعتراض محض نا سمجھی اور نادانی کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ میں اسے واضح کرنے کیلئے ایک آیت لے کر اس کا مطلب بیان کر دیتا ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ سورۃ الرحمٰن میں **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ** [۳۹] کا بار بار تکرار ہے اور ایسے موقع پر بھی اسے لایا گیا ہے جہاں اس کا کوئی جوڑ نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ اُلٹ پڑتا ہے۔ جیسے **کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ** [۴۰] کے ساتھ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ** آتا ہے۔ پادری اکبر مسیح نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ **کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ** کے یہ معنی ہیں کہ دنیا کا ہر آدمی فنا ہونے والا ہے اور **یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ** کے یہ معنی ہیں کہ صرف خدا ہی باقی رہنے والا ہے جو **جلال** اور **اِکْرَام** والا ہے۔ مگر آگے آتا ہے **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ** تم خدا کی کون کونسی نعمت کا انکار کرو گے۔ اب اس موقع پر کس نعمت کا ذکر تھا؟ کہ یہ کہا گیا۔ کیا مرنا اور فنا ہونا بھی ایک نعمت ہے؟

موت کا فلسفہ

اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ فنا بھی انسان کیلئے ایک انعام ہے۔ جہاں دیگر مذاہب نے فنا کو سزا قرار دیا ہے وہاں قرآن نے اسے انعام ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ آتا ہے۔ **تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۔نِ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ** ۔ [۴۱] یعنی سب برکتوں والا خدا ہی ہے جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اور یہ ہر بات پر قادر ہے۔ وہ برکتوں والا خدا ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا۔ یہ اس لئے کہ انسانوں کے اعمال کا امتحان لے اور ان کے نیک نتائج پیدا کرے وہ غالب ہے اور غفور ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ **لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ**

اَحْسَنُ عَمَلاً۔ پس موت ضروری تھی کیونکہ موت کے بغیر انسانی اعمال کے نتائج پیدا نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے کہ زندگی میں ایک انسان جو اچھے عمل کرتا ہے اگر اسے ان کا بدلہ اسی دنیا میں مل جائے اور جو بدیاں کرتا ہے ان کی اسے یہاں ہی سزا دے دی جائے تو پھر کوئی نبیوں کا انکار کیوں کرے۔ بلکہ فوری جزا سزا کو دیکھ کر سب مان لیں۔ لیکن انعام مشقّت اور محنت کے بعد ملا کرتا ہے۔ اگر حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اسی دنیا میں موجود ہوں اور خدا تعالیٰ نے مرنے کے بعد جو درجات انہیں دیئے ہیں وہ اسی دنیا میں مل گئے ہوں تو پھر ان کا کون منکر رہ سکتا ہے۔ یا فرعون اور ابو جہل اگر کفر کی وجہ سے اسی دنیا میں آگ میں جل رہے ہوتے تو کون انکار کرتا۔ اس طرح تو ایمان لانے والوں کو کوئی محنت اور کوشش ہی نہ کرنی پڑتی۔ لیکن انعام محنت اور کوشش کے بعد ہی ملا کرتا ہے۔ پس ضروری تھا کہ انعام دینے کے لئے ایک اور دنیا ہو اور وہ ان آنکھوں کے سامنے نہ ہو جس کی وجہ سے لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے۔ پس فرمایا خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً۔ حیات کی غرض یہ ہے کہ انسان اس زندگی میں کام کرے اور موت کی غرض یہ ہے کہ اس زندگی میں جو کام کرے موت کے بعد ان کے انعام پائے۔ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ اور خدا غالب اور بخشنے والا ہے وہ انعام بھی دے سکتا ہے اور کمزوریوں کو معاف بھی کر سکتا ہے۔

اس آیت میں چونکہ پہلے موت کو رکھا ہے۔ اس لحاظ سے عَزِیْز کو پہلے رکھا۔ اور حَیَات میں چونکہ کمزوریاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں اس کے لئے غَفُوْر کی صفت کو رکھا کہ انسان سے غلطیاں ہونگی جنہیں خدا معاف کر دے گا۔

پس یہ تکرار نہیں بلکہ بہت بڑی حکمت کے ماتحت اسے رکھا گیا ہے۔

افضلیّت کی تیسری وجہ

(۳) افضلیّت کی تیسری وجہ ایک الہامی کتاب کے لئے یہ ہے کہ وہ ان ضرورتوں کو پورا کرے جن کے لئے اسے اختیار کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ایک چیز پیاس بجھانے کیلئے پی جاتی ہے تو اس کا کام ہے کہ پیاس بجھائے۔ لیکن چونکہ کتاب مذہب کے متعلق ایک معلّم کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے ان ضرورتوں کے دو حصے ہو جائیں گے۔

اول۔ ان ضرورتوں کی تشریح کرے جن کو پورا کرنے کا وہ مدعی ہے۔ کیونکہ ضرورت کا احساس بھی وہی کرتا ہے۔

دوم۔ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کا سامان کرے۔

مذہب کی پانچ ضرورتیں

سو یاد رکھنا چاہئے کہ مذہب کی قرآن کریم سے پانچ ضرورتیں ثابت ہوتی ہیں۔

اول:۔ وجودِ باری تعالیٰ کا ثبوت اور اس کی صفات کا علم۔

دوم:۔ انسان کی روحانی طاقتوں کا بیان اور ان کا ثبوت۔

سوم:۔ ان امور کا بیان جو روحانی طاقتوں کی تکمیل اور امداد کیلئے ضروری ہیں۔

چہارم:۔ انسانی زندگی کے مآل کا بیان اور اس کا ثبوت۔

پنجم:۔ مذکورہ بالا امور میں نہ صرف علمیؔ طور پر روشنی بخشنا بلکہ عملاً بھی خدا تعالیٰ سے وصال کرانا اور روحانی طاقتوں کو مکمل کرانا اور حیاتِ اُخروی کے فوائد سے بہرہ ور کرانا۔

یہ ضرورتیں جو اسلام نے بیان کی ہیں باقی مذاہب بھی اس امر میں اس سے متفق ہیں گو اس مقصد کے پورا کرنے میں قرآن کریم منفرد ہے۔ کوئی مذہبی کتاب اس بارہ میں اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی۔ تورات کو شروع سے آخر تک پڑھ جاؤ' انجیل کو پڑھ جاؤ' وید کو پڑھ جاؤ بس یہ معلوم ہو گا کہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب دنیا مانتی ہے اور اس کی ذات میں کسی شک کی گنجائش نہیں مگر اس کا ثبوت وہ کوئی نہیں دیتیں۔ اسی طرح اس کی صفات کے متعلق اس قدر قلیل روشنی ڈالی گئی ہے کہ انسانی نفس اس سے قطعاً تسلی نہیں پا سکتا۔ پس ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا علم دیا جائے اور پھر اس کے دلائل دیئے جائیں۔ زیادہ سے زیادہ دوسری کتب نے کوئی ثبوت دیا ہے تو معجزات سے دیا ہے۔ بیشک اس سے اللہ تعالیٰ کا وجود تو ثابت ہو جاتا ہے مگر اس کی ہر صفت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی کتاب خدا تعالیٰ کو غَفُوْر کہتی ہے تو ضروری ہے کہ وہ خدا کے غَفُوْر ہونے کا ثبوت بھی پیش کرے۔ اگر رَحِیْم قرار دیتی ہے تو اس بات کا ثبوت دے کہ وہ رَحِیْم ہے۔ غرض باقی مذاہب نے اس اصل الاصول کو جس پر مذہب کی بنیاد ہے بالکل مہمل چھوڑ دیا ہے اس کے مقابل پر قرآن کریم کو دیکھو۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے وجود کو پیش کرتا ہے بلکہ اس کے ثبوت بھی دیتا ہے۔ اور نہ صرف اس کا ثبوت دیتا ہے بلکہ اس کی سب صفات کا ثبوت دیتا ہے۔ اور اس طرح وہ ایک نیا اصل پیش کرتا ہے۔ جو یہ ہے کہ جس قدر صفاتِ الٰہیہ بندہ کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہیں ان کا الگ ثبوت ضروری ہے ورنہ خدا تعالیٰ کا وجود تو ثابت ہو گا مگر اس کی صفات کا ثبوت نہ

ہو گا۔

بندوں کے ساتھ تعلق رکھنے والی صفاتِ الٰہیہ کا ثبوت

میں اس وقت اس کی ایک مثال دے دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔[۲۴] یعنی یہ ہے تمہارا اللہ جو تمہارا رب بھی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہر ایک چیز کا خالق ہے اسی کی تم عبادت کرو۔ وہ ہر چیز پر نگران ہے۔ اور یہ یاد رکھو کہ تمہاری یہ مادی آنکھیں اس تک نہیں پہنچ سکتیں نہ تمہاری عقلیں پہنچ سکتی ہیں۔ یعنی تمہاری آنکھیں اور عقلیں اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ خود ایسے سامان بہم پہنچا دیتا ہے کہ جن کے نتیجہ میں وہ بندہ کے پاس آجاتا ہے یعنی اپنی صفات کے ظہور کے ذریعہ۔ کیونکہ وہ نہایت لطیف اور خبیر ہے۔ غرض ان صفات کو اللہ تعالیٰ کے وجود کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے۔ اور لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کے ثبوت میں بتایا ہے کہ وہ لطیف اور خبیر ہے۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر خدا ہے تو ان آنکھوں سے دکھا دو' وہ غلط کہتے ہیں۔ اس لئے کہ جو لطیف چیز ہوتی ہے وہ نظر نہیں آیا کرتی۔ لطیف کی تو تعریف ہی یہی ہے کہ نظر نہ آئے۔ ورنہ جو چیز نظر آجائے وہ لطیف نہیں کہلا سکتی۔ پھر خدا تعالیٰ ان آنکھوں سے کس طرح نظر آسکتا ہے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ خدا ہے یا نہیں۔ سو اس کا ثبوت اس کی صفت خبیر سے مل جاتا ہے۔ وہ بندہ کی نگہداشت کرتا ہے۔ اس کی روحانی اور جسمانی ساری ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ کسی کے خبردار ہونے کا آخر کیا ثبوت ہوا کرتا ہے۔ یہی کہ جس قسم کی ضروریات اسے پیش آئیں ان کا انتظام کرے۔ مثلاً ایک شخص کسی کے ہاں مہمان جاتا ہے۔ اس کے لئے اگر مکان اور مکان میں بستر وغیرہ موجود ہوتا ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بستر خود بخود آگیا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ میزبان بہت خبردار ہے جس نے پہلے سے ہی بستر کا انتظام کر دیا۔ اسی طرح مہمان کے آگے کھانا چنا جائے لیکن میزبان خود اس وقت نظر نہ آئے تو کیا یہ کہا جائیگا کہ کھانا خود بخود آگیا ہے۔ اگر مہمان کی ضروریات پوری ہوتی جاتی ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان ضروریات کو پورا کرنے والا ایک وجود موجود ہے خواہ وہ نظر آئے یا نہ آئے۔ پس جسمانی اور روحانی ضرورتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے پوری ہوتی ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ خدا تعالیٰ ہے۔ اور جب

وہ ان ضروریات کے پورے ہوتے ہوئے نظر نہیں آتا تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ لطیف ہے۔

خدا تعالیٰ کی بعض صفات جوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں

یہاں یہ نہایت عجیب نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی بعض صفات جوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جس طرح مرد و عورت کے ملنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح ان دو صفات کے ملنے سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً خبردار رہنا اور ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر کو بھی غائب نہ ہونے دینا یہ لطیف ہستی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یعنی ایسی ہستی جو موجودات کے ہر ذرہ سے ایک کامل اتصال رکھتی ہو۔ اور ایسے اتصال کے لئے لطیف ہونا شرط ہے۔ پس **خَبِیْر** کی صفت **لَطِیْف** کیلئے بمنزلہ جوڑے کے ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے اس کا بھی ظہور ہوتا ہے۔ یا ان دونوں کا آپس میں روح اور جسم کا تعلق ہے کہ ایک نہ ہو تو دوسری صفت بھی ثابت نہیں ہوتی اور دوسری نہ ہو تو پہلی ثابت نہیں ہوتی۔ اگر **خَبِیْر** کی صفت **وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ** سے ثابت نہ ہوتی تو **لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ** بھی ثابت نہ ہوتا بلکہ عدم ثابت ہوتا۔ اس کے مقابلہ میں اگر **لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ** ثابت نہ ہوتا یعنی اس کا **لَطِیْف** ہونا تو **خَبِیْر** کی صفت بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ کیونکہ جو وجود کامل اتّصال نہیں رکھتا وہ **خَبِیْر** بھی نہیں ہو سکتا۔ غرض **لَطِیْف** ہستی وہ ہوتی ہے جو باریک در باریک اور ہر ذرّہ میں موجود ہو۔ اور جو ایسی **لَطِیْف** ہو وہ نظر بھی نہیں آسکتی' ضرور ہے کہ وہ مخفی ہو۔

پھر **لَطِیْف** ہونا **خَبِیْر** ہونے کا بھی ثبوت ہے۔ کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ایک ہستی ہے جو **لَطِیْف** ہونے کی وجہ سے ہر ذرّہ سے تعلق رکھتی ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ **خَبِیْر** ہے۔ غرض خدا تعالیٰ کی صفت **لَطِیْف** اس کے **خَبِیْر** ہونے پر شاہد ہے۔ اور **خَبِیْر** ہونے کی صفت اس کے **لَطِیْف** ہونے کی شہادت دے رہی ہے۔

خدا تعالیٰ کی صفت رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کا مادی ثبوت

ایک اور صفت خدا تعالیٰ کا **رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ** ہونا ہے اس کے روحانی اور جسمانی دو ثبوت پیش کئے گئے ہیں۔ جسمانی ثبوت تو یہ دیا کہ فرمایا۔ **اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَ رَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔** [۴۳] یعنی

زمین اور آسمان اور انسان اور اس کی طاقتیں (یعنی ترقی کی قابلیتیں جن سے وہ زمین و آسمان پر حکومت کرتا ہے اور جو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ پر جو ترقیات کا سرچشمہ ہے شاہد ہیں۔) اور اَغذِیہ وغیرہ جو ان طاقتوں کو قائم رکھتی ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اس سال جب میں کشمیر گیا تو وہاں ایک ایم۔ اے مجھے ملنے کیلئے آئے۔ اور کہنے لگے میں خدا کو تو نہیں مانتا لیکن اگر کوئی خدا ہے تو اس نے ہمیں دنیا میں پیدا کر کے خواہ مخواہ مصیبت میں ڈال دیا۔ ہم نے کب اس سے کہا تھا کہ ہمیں پیدا کر کے دنیا میں بھیج دو؟ میں نے کہا۔ اگر دنیا کی زندگی مصیبت ہے اور آپ اس مصیبت سے نکلنا چاہتے ہیں تو یہ کونسی مشکل بات ہے۔ زہر کھالو اور مرجاؤ۔ کہنے لگے یہ بھی تو نہیں ہو سکتا مرنے کو دل نہیں چاہتا۔ میں نے کہا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ آپ دنیا کی زندگی کو اچھا سمجھتے ہیں اور صرف منہ سے اس کی برائی بیان کرتے ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسانوں کے لئے قرار کی جگہ بنایا ہے۔ ہندو کہتے ہیں۔ دنیا مصیبت کی جگہ ہے مگر جب بیمار ہوں تو ڈاکٹروں کو سب سے زیادہ فیس وہی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے منہ سے جتنا چاہو کہو کہ دنیا مصیبت کی جگہ ہے لیکن یہاں سے تم ہلنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ خدا نے تمہارے لئے اس زمین کو قرار گاہ قرار دیا ہے۔

پھر وَالسَّمَآءَ بِنَآءً آسمان بھی تمہاری حفاظت کا موجب ہے۔ جو چیزیں زمین کے ذریعہ پوری نہ ہو سکتی تھیں ان کو ہم تمہارے لئے آسمان سے نازل کرتے ہیں۔ کیونکہ آسمان بناء کا موجب ہے۔ وَصَوَّرَكُمْ پھر اس خدا نے تمہیں شکل دی۔ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ اور بڑی اعلیٰ درجہ کی اور مکمل قابلیتوں والی شکل بنائی۔ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اور تمہارے لئے نہایت اعلیٰ درجہ کی چیزیں پیدا کی ہیں۔ اگر چیزیں خراب ہوتیں تو تمہاری قابلیتیں بھی اعلیٰ درجہ کی نہ ہوتیں۔ مگر ان قابلیتوں کو خرابی سے بچانے کے لئے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے رزقِ طیّب پیدا کیا۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ پس اے لوگو! یہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ اگر وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ نہ ہوتا اور سورج کوئی اور پیدا کرتا اور زمین کوئی اور پیدا کرتا تو سورج اور زمین کا آپس میں کوئی تعلق نہ ہوتا۔ مگر اب دیکھو سورج زمین کی حفاظت کر رہا ہے اور زمین سورج کی۔ یہ سب باتیں ظاہر کر رہی ہیں کہ ایک ہی خدا ہے

جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا اور وہی رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔
صَوَّرَکُمْ میں یہ بھی بتایا ہے کہ بندہ ایسا بنایا گیا ہے کہ باقی سب مخلوق پر حکومت کرتا ہے۔ یہ جسمانی ثبوت ہے خدا تعالیٰ کے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہونے کا۔

خدا تعالیٰ کے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہونے کا روحانی ثبوت

روحانی ثبوت سورۃ شعراء میں اس طرح دیا کہ بہت سے نبیوں کا ذکر کرتے ہوئے جو مختلف اقوام کی طرف آئے تھے فرمایا وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ۔ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ۔ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ○ [۴۴] یعنی یہ قرآن رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ خدا کی طرف سے اتارا گیا ہے اور اس کا روحانی ثبوت یہ ہے کہ یہ کلام سب دنیا کو مخاطب کر کے نازل ہوا ہے۔ جب کہ پہلے کلام صرف مختص القوم اور مختص الزمان تھے اور جب کہ وہ کلام صرف اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ثبوت تھے۔ یہ کلام ربوبیتِ عالمین کا ثبوت ہے۔

غرض یہ قرآن کسی ایک قوم کی طرف نہیں آیا کیونکہ اسے خدا تعالیٰ کی رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت کے ماتحت نازل کیا گیا ہے اور تمام دنیا اس کی مخاطب ہے۔ پھر اس کلام کو روح الامین لے کر نازل ہوا ہے۔ یعنی پہلے نبیوں کے کلام میں خرابیاں آگئی تھیں کیونکہ بندوں نے ان کی حفاظت نہ کی۔ پس خدا تعالیٰ نے اس روح کے ذریعہ سے جو امین ہے۔ محفوظ طور پر وہ پہلے کلام آپ پر نازل کئے ہیں۔ اور چونکہ کلام کے پہنچانے کے لئے اس کا سمجھنا بھی ضروری ہے تا کہ پہنچانے میں کوئی نقص نہ رہ جائے اس لئے یہ کلام تیرے دل پر نازل کیا گیا ہے۔

غرض بائیبل اور وید وغیرہ کتابیں سب خراب ہو چکی تھیں۔ مگر خدا تعالیٰ کے پاس اصلی تعلیم محفوظ تھی۔ چنانچہ اس نے روح الامین کے ذریعہ اس کلام کو تیرے دل پر نازل کیا تا کہ لوگوں کا جرأت کے ساتھ مقابلہ کر سکے یہ کلام عربی زبان میں ہے جو تمام مضامین کو کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ اور اس کے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی طرف سے ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ یہ کلام پہلی کتب میں بھی موجود ہے۔ اس رنگ میں بھی کہ ان کے اصول اس میں پائے جاتے ہیں اور اس رنگ میں بھی کہ ان سب کو اکٹھا کر کے اس میں بیان کر دیا گیا ہے۔ گویا اس میں تمام غیر مسلم اقوام کی ذہنیت کا خیال رکھا گیا ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی طرف سے ہے۔ اگر یہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی طرف سے نہ ہوتا تو یہ ساری دنیا کی فکر کیوں

کرتا۔

پہلی کتب میں قرآن کریم کی موجودگی کے معنی

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کریم کی ساری تعلیم وہی ہے جو پہلی کتابوں میں تھی۔ بلکہ یہ ہیں کہ پہلی کتابوں کی صحیح تعلیم قرآن کریم میں موجود ہے اور اس سے زائد بھی ہے۔ پھر پہلی کتب میں اس کلام کی موجودگی سے یہ بھی مراد ہے کہ ان میں ایک کتاب کی پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح تمام صفاتِ الٰہیہ کا قرآن کریم میں مبسوط بیان ہے۔ مگر اور کتابوں میں اس طرح ذکر نہیں ہے۔ انجیل میں صرف پانچ سات صفات کا ذکر آتا ہے۔ تورات میں نسبتاً زیادہ صفات کا ذکر ہے مگر قرآن نے جتنی صفات پیش کی ہیں اتنی تورات نے بھی پیش نہیں کیں۔ پھر پہلی کتابیں ان صفات کو بطور دلیل پیش نہیں کرتیں بلکہ صرف دعاؤں میں ان کا ذکر آجاتا ہے۔ حالانکہ ضروری ہے کہ صفاتِ الٰہیہ کا نہ صرف بالاستیعاب ذکر ہو بلکہ ان کے الگ الگ کام اور ان کے ثبوت بھی دیئے جائیں مگر یہ کام صرف قرآن کریم نے کیا ہے۔

صفاتِ الٰہیہ کی تشریح بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونی چاہئے

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ صرف صفات کے نام بھی کافی نہیں جب تک ان کے صحیح معنی بھی بیان نہ کئے جائیں۔ کیونکہ خالی نام صرف شدّتِ محبت کے اظہار کے لئے بھی جمع کئے جاسکتے ہیں جب کہ ان ناموں کے لینے والا ان کی حقیقت سے کچھ بھی واقف نہ ہو۔ جیسے پیار کے وقت انسان بہت سے نام لے لیتا ہے لیکن ان کی حقیقت کا اسے علم نہیں ہوتا۔ پس صرف کسی صفت کا ذکر کر دینا کافی نہیں ہوتا بلکہ ایک صفت کا ذکر ہو اور پھر اس کی تشریح اور توضیح بھی خدا تعالیٰ ہی کے الفاظ میں ہو۔ جیسے گورنمنٹ ایک قانون بناتی ہے تو ساتھ ہی بعض الفاظ کی تشریح بھی کر دیتی ہے کہ فلاں لفظ کے یہ معنی ہیں تاکہ اس میں اختلاف نہ شروع ہو جائے۔ اسی طرح خدائی کلام کا یہ بھی کام ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات بیان کرے اور خود ہی ان کی تشریح کرے۔ چنانچہ دیکھ لو رَحْمٰن کا لفظ عربوں میں موجود تھا۔ اور وہ اسے استعمال کرتے تھے۔ قرآن کریم میں بھی آتا ہے **وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ**[۴۵] یعنی وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر رَحْمٰن خدا چاہتا تو ہم اس کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش نہ کرتے۔ خود مسیلمہ کذّاب بھی رحمٰن یمامہ کہلاتا

تھا۔ لیکن جب رَحْمٰن کے معنوں کو قرآن کریم نے بیان کیا تو وہ حیران رہ گئے۔ اور چونکہ ان معنوں کے رو سے ان کے مذہب پر زد پڑتی تھی صاف کہہ اٹھے کہ ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا [۴۶] جب انہیں کہا جاتا ہے کہ رَحْمٰن کی عبادت کرو۔ تو وہ کہتے ہیں رَحْمٰن کون ہے۔ کیا ہم اس کے آگے سجدہ کریں جس کے آگے سجدہ کرنے کا تُو حکم دیتا ہے۔ اور یہ بات ان کو نفرت میں اور بڑھا دیتی ہے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ یہی کہ وہ رَحْمٰن کے اور معنی کرتے تھے۔ چنانچہ آگے اللہ تعالیٰ نے اس کے معنی بھی کر دیئے اور بتا دیا کہ ان معنوں میں ہم رَحْمٰن کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اور ان معنوں سے رد کرتے ہیں۔ فرماتا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا۔ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا۔ [۴۷]

یعنی رَحْمٰن تو وہ ہے جس نے آسمانوں میں بروج بنائے اور ان میں چمکتا ہوا سورج اور نور دینے والا چاند بنایا۔ اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا۔ مگر ان کے لئے جو نصیحت حاصل کرنا چاہیں یا شکر گذار بندے بننا چاہیں۔ یہاں رَحْمٰن کی تشریح کر دی۔ اور مطلب بیان کر دیا کہ رَحْمٰن سے مراد خدا تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو انسان کے عمل سے بھی پہلے اس کے لئے کام شروع کر دیتی ہے۔ چنانچہ بتایا۔ دیکھو ہم نے چاند اور سورج کو انسان کے پیدا ہونے سے پہلے بنایا۔ اور پھر اس کی ضرورت بھی بیان کر دی۔ اور وہ یہ کہ انسان کو عمل کرنے کے لئے اسباب کی ضرورت ہے۔ اگر اسباب نہ ہوں تو وہ عمل کس طرح کر سکے۔ مثلاً بڑھئی ہو لیکن لکڑی نہ ہو تو وہ کیا کر سکتا ہے۔ پس ضروری تھا کہ انسان پر اس کے اعمال شروع کرنے سے قبل انعام ہوتا۔ اور انعام کے طور پر اس کے لئے اسباب مہیا کئے جاتے تاکہ وہ عمل کر سکتا۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ دنیا کی ہر چیز انسان کے عمل کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے۔ کیونکہ عمل ہو ہی نہیں سکتا جب تک پہلے کچھ انعام نہ ہو۔ پھر یہ وجہ بتائی کہ رحمانیت کی ضرورت انسان کے شُکُوْر بننے کے لئے ہے۔ شُکُوْر کے لئے عمل کی شرط ہے۔ اور عمل بغیر رحمانیت کے نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کی یہ صفت نہ ہوتی اور وہ بلامُزد انعام نہ کرتا تو انسان اپنے پیدا کرنے والے کا شکر بھی ادا نہ کر سکتا اور ایک بلا عمل ہستی

رہ جاتا۔

شُکُوْر کے لفظ میں اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ دلانے کے لئے قلب میں شکریہ کے احساسات کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ احساسات بغیر رحمانیت کی صفت کے پیدا نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ رحمانیت کے بغیر وہ اعلیٰ مُحرّک عمل جو بے نفسی کا موجب ہوتا ہے پیدا نہ ہو سکتا۔ کیونکہ سب کچھ نتیجہ عمل میں ملتا تو ہر عمل لالچ کی وجہ سے ہوتا۔ مگر چونکہ احسان موجود ہے اور خدا تعالیٰ نے ہر انسان پر اس کے عمل کرنے کے قابل بننے سے پہلے نعمتیں نازل کی ہیں۔ اس لئے اعلیٰ انسان اپنے اعمال کو طلبِ صلہ کی بجائے شکرِ ماضی کے ماتحت لے آتا ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی شکر گذاری کرتا اور اس کے احکام بجالاتا ہے۔ نہ اس لئے کہ اب اسے کچھ ملے بلکہ اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کے پہلے احسانات کا شکر ادا کرے۔ اس طرح مومن کے دل میں لالچ اور طمع کو نکال دیا اور محض خدا تعالیٰ کی شکر گذاری کا جذبہ اس میں پیدا کیا۔

غرض تکمیل صفات اور دلائل صرف قرآن کریم نے دیئے ہیں۔ باقی کتب صرف دعا میں بطور ایک ٹونے کے خدا تعالیٰ کے اسماء کو استعمال کرتی ہیں اور وہ ذرہ بھر بھی متشابہ صفات کے فرق اور ان کے دلائل پر روشنی نہیں ڈالتیں۔

انسان کی روحانی طاقتوں کا بیان

دوسرا امر جس کا بیان ایک الہامی کتاب کے لئے ضروری ہے انسان کی روحانی طاقتوں کا بیان ہے۔ اس مضمون پر بھی قرآن کریم نے بلکہ صرف قرآن کریم نے ہی روشنی ڈالی ہے دوسری کتابوں میں یہ بات نہیں ملتی۔ یا تو اس لئے کہ جس وقت وہ نازل ہوئیں اس وقت اس قدر روحانی ارتقاء نہ تھا۔ یا پھر ان کے بگاڑ کے زمانہ میں جو بھی تعلیم ان میں تھی وہ ضائع ہو گئی۔ مگر قرآن کریم کو دیکھو اس میں ایک اعلیٰ طریق سے ان باتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ کی لطیف تفسیر

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ **وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ**

عَلَیْکَ کَبِیْرًا۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا۔[۴۸]

ان آیات سے پہلے قرآن کریم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے۔ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ کچھ لوگ تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کیوں نہ یہ تسلیم کیا جائے کہ روح اپنے اندر یہ ذاتی قابلیت رکھتی ہے کہ اس سے اعلیٰ درجہ کا کلام نکلنے لگ جاتا ہے۔ یہاں سوال نقل نہیں کیا گیا۔ اس لئے اس موقع کے لحاظ سے جتنے سوال کے پہلو نکل سکتے ہوں وہ سب جائز ہونگے۔ ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ روح کو کس طرح پیدا کیا گیا ہے دوسرا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ روح میں کیا کیا طاقتیں رکھی گئی ہیں۔ تیسرا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ روح کا انجام کیا ہو گا؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ روح مادیات سے بالا ہے اس لئے یہ تمہارے تصرف میں نہیں آسکتی۔ اس کی پیدائش اس کا قیام اور اس کا انجام سب اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہے کیونکہ وہ خود روح کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد کیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ روح آپ ہی کمال حاصل کر سکتی ہے۔ فرمایا جب تک خدا کا کلام روح کو حاصل نہ ہو وہ کوئی کمال ظاہر نہیں کر سکتی۔ پھر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ روح فنا کیوں نہیں ہوتی؟ ان کے متعلق فرمایا کہ زندہ رکھنے والا جو موجود ہے تو فنا کیوں ہو۔ جیسے آگ جلانے والا جب تک آگ میں لکڑیاں ڈالتا جائے گا وہ نہیں بجھے گی۔ غرض نہ یہ سوال درست ہے کہ روح ہمیشہ کس طرح رہے گی اور نہ یہ کہ اگر زندہ رہے گی تو حادث نہیں ہے کیونکہ اس کی زندگی خدائی اِذن سے ہے نہ کہ اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے۔ بہرحال روح کی پیدائش بھی امر یعنی کُنْ کہنے سے ہے اور اس کی ترقی بھی امر یعنی کلامِ الٰہی سے ہے اور اس کا ابدی قیام بھی امر یعنی قضائے الٰہی سے وابستہ ہے۔

پھر فرمایا کہ انسانی روح کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ آپ ہی کمال حاصل کر سکتی ہے اور آپ ہی تعلیم بیان کر سکتی ہے مگر یہ غلط ہے وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا روح کے متعلق جو انسانی معلومات ہیں وہ نہایت ناقص اور ناتمام ہیں جس طرح اور غیر مادی اشیاء مثلاً ذات باری یا ملائکہ کے متعلق اس کے معلومات ناقص ہیں۔ اس کے لئے خدا تعالیٰ کا الہام ضروری ہے جس کے امر سے یہ سب کچھ ہے۔ اسی طرح اس کی مخفی طاقتوں کا ابھارنا بھی امر پر

ہی منحصر ہے۔ تم خود اپنے طور پر اس میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

یہ سوال اس زمانہ میں بڑے زور سے پیدا ہو رہا ہے کہ انسان یا تو خود روحانیت میں کمال پیدا کر کے روحانی تعلیم بنا سکتا ہے یا پھر دوسری روحوں سے تعلق پیدا کر کے ان کی امداد سے ایسی تعلیم ایجاد کر سکتا ہے۔ اس وہم میں اس زمانہ کے بڑے بڑے لوگ مبتلا نظر آتے ہیں کہ روحیں انسان کو روحانیت کا اعلیٰ رستہ بتا دیتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انسانی روح میں جو کمی رہ جاتی ہے وہ مُردوں کی روحیں پوری کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تمہارا خیال ہے کہ تم خود روحانی طاقتوں کو ترقی دیکر اعلیٰ درجہ کی روحانی تعلیم بنا سکتے ہو۔ اسی طرح تمہارا خیال ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے آپ ہی آپ یہ کتاب بنا لی ہے اس پر خدا کی طرف سے الہام نازل نہیں ہوا۔ اس کی اپنی روحانی طاقت اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ اس سے خود بخود ایسی باتیں صادر ہونے لگ گئیں۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ انسانی طاقتیں اتنی نہیں ہیں کہ ایسا کلام بنا سکیں۔ انسانی عقل کا اپنے آپ روحانی رستہ تجویز کرنا تو الگ رہا **وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِهٖ عَلَیْنَا وَکِیْلًا**۔ اگر یہ قرآن جو نازل شدہ ہے اسی کو ہم تمہاری نظر سے اوجھل کر دیں تب بھی تم اپنی روحانی قوتوں کو نشوونما دے کر ایسی کتاب نہیں بنا سکتے۔ یعنی اگر ہم یہ بنی بنائی تعلیم ہی دنیا سے غائب کر دیں تو پھر بھی انسان اس جیسی تعلیم نہیں بنا سکتے۔

کہا جا سکتا تھا کہ یہ قرآن کا محض ایک دعویٰ ہے کہ اگر قرآن کریم کی تعلیم غائب ہو جائے تو انسان اس جیسی تعلیم نہیں لا سکتے۔ اس کا ثبوت کیا ہے؟ یہ ثبوت بھی اللہ تعالیٰ نے پیش کر دیا ہے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جبکہ قرآن دنیا سے اُٹھ جائے گا۔ اس کی تحریر تو رہ جائے گی مگر تعلیم پر عمل کرنے والے نہ ہوں گے۔ چنانچہ جب ایسا زمانہ آیا تو نہایت ہی لغو باتیں اسلام اور قرآن کی طرف منسوب ہونے لگ گئیں۔ اور اس کی بے نظیر اخلاقی اور روحانی تعلیم پر پردہ پڑ گیا۔

اس کے بعد فرماتا ہے **اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ** سوائے اس کے کہ تیرے رب کی خاص رحمت اسے دنیا میں پھر واپس لے آئے اور کوئی صورت اس کی واپسی کی نہیں ہو گی۔ چنانچہ آخری زمانہ میں رسول کریم ﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے پھر اپنی رحمت کا ہاتھ لوگوں کی طرف لمبا کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ دوبارہ

قرآن کریم کا دنیا میں نزول ہوا۔ اب دیکھ لو۔ وہی قرآن ہے جو پہلے تھا مگر اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ کیسے کیسے معارف اور حقائق نکل رہے ہیں اور کس طرح قرآن ساری دنیا پر غالب آ رہا ہے۔ درحقیقت اس آیت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی خبر دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ قرآن اس وقت دنیا سے اٹھ جائے گا۔ مگر پھر خدا تعالیٰ کے ایک فرستادہ کے ذریعہ اسے زمین پر قائم کر دیا جائے گا۔

سپرچولزم اور ہپناٹزم والوں کو چیلنج

پھر فرماتا ہے قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ تُو ان لوگوں سے کہدے کہ اگر جنّ وانس بھی مل جائیں تب بھی وہ اس قرآن کی مثل یعنی روحانی ترقیات کا راستہ بتانے والی تعلیم لانے سے قاصر رہیں گے۔ یہاں جنّ سے مراد وہ جنّ نہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے سروں پر چڑھ جاتے ہیں۔ ایسے جنّوں کے متعلق یہ کہنا کہ ان کو بھی اپنے ساتھ ملا لو بیہودہ بات ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہو گا جیسے کہا جائے کہ تم خواہ فلاں درخت سے مدد لے لو یا فلاں بھیڑ سے امداد حاصل کر لو تو بھی فلاں شاعر جیسے شعر نہیں کہہ سکتے۔ جس طرح یہ بات لغو ہے اسی طرح ایسے جنّوں کے متعلق یہ کہنا کہ ان سے مدد لے لو لغو بات ہے پس یہاں جنّ سے مراد کوئی اور وجود نہیں ہیں۔ بلکہ وہ وجودِ **مخفیہ** ہیں جن کا نام سپرچولزم والے ارواح اور ہپناٹزم والے قوائے روحانیہ رکھتے ہیں۔ چونکہ یہ نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اس لئے ان کو جنّ کہا گیا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کسی عقلمند کا دعویٰ نہیں تھا کہ جنّات سے مل کر وہ اعلیٰ روحانی تعلیم بنا سکتا ہے۔ پس جس چیز کا دعویٰ ہی نہیں تھا اور جس اجتماع کا امکان ہی نہیں تھا اس کا چیلنج عقل کے خلاف ہے۔ پس اس جگہ جنّ سے مراد وہ روحانی افعال ہیں جو **سبجیکٹو مائنڈ** (SUBJECTIVE MIND) سے ظاہر ہوتے ہیں یا وہ اتحاد ہے جو بقول بعض ارواح غیر مرئی سے انسانوں کا ہو جاتا ہے اور ان سے وہ بعض روحانی علوم دریافت کر لیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے تم ان سے بھی مدد لے لو وہ بھی تمہاری مدد کریں تب بھی تم اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے۔ پس یہاں جنّ سے مراد وہ ارواح ہیں جن کی مدد سے لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نئے روحانی علوم معلوم کر سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان سے بھی مدد

لے لو اور قرآن کی مثل بنا دو۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ بغیر کلام الٰہی کے کام چل سکتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ دیکھو لو یہ کس قدر زبردست معجزہ قرآن کریم کا ہے کہ وہی زمانہ جس کے متعلق احادیث نبویہؐ سے ثابت ہے کہ قرآن کریم کے اٹھنے کا ہے۔ اور جس زمانہ میں رَحْمَةِ رَبِّیْ سے دوبارہ قرآن آنے کا ذکر ہے۔ اس زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہیں جو ارواح سے مل کر حقائق روحانیہ کے دریافت کرنے کے مدعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں اگر ارواح کے اندر یہ قابلیت ہے کہ وہ آپ ہی آپ اپنی ترقی کے ذریعہ علوم کو معلوم کرلیں تو وہ قرآن کی مانند کوئی تعلیم پیش کر کے دکھائیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مثل میں کن کن امور کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ سو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا۔ ہم نے قرآن میں دو خوبیاں رکھی ہیں۔ ان کی مثال روحوں سے تعلق رکھنے والے اور خود روحانیات میں ترقی کرنے کا دعویٰ کرنے والے پیش کریں۔ ایک تو یہ کہ ہر ضروری امر جس کی روح کو ضرورت ہے قرآن کے اندر بیان کر دیا گیا ہے۔ دوسرے ہر ضروری امر کی ہر ضروری شق بیان کر دی گئی ہے۔ یعنی مختلف متفاوت فطرتوں کا اس میں پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور ہر حکم ایسے رنگ میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ سب کے لئے کار آمد ہو۔ یہاں فلسفیوں اور سپر چولزم والوں کو چیلنج دیا گیا ہے کہ تم ایسی کتاب بنا کر دکھاؤ جس میں وہ ساری باتیں آجائیں جن کی تکمیلِ روحانیت کے لئے ضرورت ہے اور پھر اس کتاب میں ایسی تعلیم ہو جس میں ساری فطرتوں کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ ایسی باتوں کی وہ کوئی مثال نہیں لا سکتے۔ یہ لوگ بہت مدت سے اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں مگر ابھی تک تو کچھ نہیں کر سکے اور نہ آئندہ کر سکیں گے۔ اول تو وہ قرآن جیسی جامع تعلیم ہی نہیں پیش کر سکتے اور اگر فرض کر لیا جائے کہ پیش کریں گے تو یا تو وہ قرآن کے مطابق ہوگی اور یا پھر قرآن کے خلاف۔ اگر قرآن کے مطابق ہوگی تو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ قرآن موجود ہے۔ اور اگر قرآن کے خلاف ہوگی تو اس کا رَدّ قرآن میں موجود ہوگا۔ گویا کوئی کتاب ایسی نہیں ہو سکتی جو قرآن کا مقابلہ کر سکے۔ کیا دنیا میں کوئی کتاب ایسی ہے جو روحانی امور کے متعلق ایسا عظیم الشان دعویٰ پیش کر سکتی ہو؟

فطرت انسانی کی روحانی طاقتوں کا اظہار کلام الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتا

اب ایک اور سوال ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ اگر روح کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے تو وہ قرآن کریم کی تعلیم کو کس طرح سمجھ سکتی ہے۔ یہ بات ایک اور آیت سے حل ہو جاتی ہے جس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحانی طاقتوں کو فطرت انسانی سے بھی وابستہ قرار دیا ہے اور تسلیم کیا ہے کہ روح میں بھی کلام الٰہی موجود ہوتا ہے مگر مخفی طور پر۔ اور وہ اپنے ظہور کیلئے بیرونی کلام الٰہی کا محتاج ہوتا ہے۔ پس تھوڑا علم ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ فطرت انسانی کو روحانی طاقتوں سے لگاؤ نہیں۔ لگاؤ ہے مگر ان طاقتوں کا ظہور سوائے کلام الٰہی کے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ۔ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ [۴۹] یعنی قرآن کریم میں جو تعلیمات ہیں وہ فطرت انسانی میں جو مظہرِ روح ہے موجود ہیں۔ کیونکہ انسان اسی شئے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جو اس کے اندر بھی موجود ہو۔ غیر جنس اسے نفع نہیں دے سکتی۔ جیسے اگر کان نہ ہوں تو سننا ناممکن ہے اور آنکھیں نہ ہوں تو دیکھنا ناممکن ہے۔ یا اس کی مثال پانی کی سی ہے کہ جب اوپر سے پانی برستا ہے تو چشمے بھی جاری ہو جاتے ہیں اور اگر آسمان سے پانی نہ برسے تو چشمے بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب خدا تعالیٰ کی وحی کا پانی نازل ہوتا ہے تو روح انسانی سے بھی روحانی پانی اُبلنے لگتا ہے۔ کیونکہ الٰہی کلام اور انسانی فطرت ایک دوسرے کیلئے بطور جوڑے کے ہیں۔ ایک لفظوں میں کتاب الٰہی ہوتی ہے اور دوسری فطرت میں مرکوز ہوتی ہے۔ اور وہی کتاب الہامی ہو سکتی ہے۔ جو انسانی فطرت کے مطابق ہو پس انسانی فطرت میں بھی کلام الٰہی ہوتا ہے۔ مگر اسے ابھارنے کیلئے الہام کی ضرورت ہوتی ہے خدا تعالیٰ نے ایک طرف تو اپنے کلام کا ایک حصہ انسان کے دماغ میں رکھ دیا اور دوسرا حصہ اس نے اپنے نبی کو دے کر بھیج دیا۔ جب یہ دونوں حصے ایک دوسرے کے ساتھ جُڑ جاتے ہیں تو اسے خدا کی طرف سے سمجھ لیا جاتا ہے۔

سفرِ ولایت کے ایام کا ایک واقعہ

اس موقع پر میں ایک لطیفہ سناتا ہوں۔ جب میں ولایت سے واپس آیا تو جس جہاز پر ہم سوار ہوئے اس کا چیف انجینئر ایک دن جہاز کی مشینری دکھانے کیلئے مجھے لے گیا۔ اور دکھانے کے بعد کہنے لگا کہ آپ اپنے سیکرٹریوں کو واپس بھیج دیں۔ میں آپ کے ساتھ ایک خاص بات کرنا چاہتا

ہوں۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ میں نے ساتھیوں کو بھیج دیا۔ جب وہ چلے گئے تو کہنے لگا۔ آپ کے پاس مختلف ممالک کے خطوط آتے ہونگے۔ اگر آپ مجھے ان خطوط کے ٹکٹ بھجوا دیا کریں تو میں بہت ممنون ہونگا۔ میں نے کہا اچھا اگر کوئی غیر معمولی ٹکٹ ملا تو بھیج دیا کروں گا۔ کہنے لگا میں بھی آپ کی خدمت کروں گا۔ آپ مجھ پر اعتبار کریں اور مجھ سے کام لیں۔ پھر کہنے لگا۔ آپ جس غرض کیلئے ولایت گئے تھے وہ مجھے معلوم ہے اور وہ یہی ہے کہ آپ نے حکومت کے خلاف وہاں مشنری رکھے ہوئے ہیں انہیں آپ مخفی ہدایات دینے گئے تھے۔ اب آپ جو مخفی تحریریں بھیجنا چاہیں وہ میں لے جایا کروں گا۔ آپ اس طرح کریں کہ کارڈ کا ایک ٹکڑا آپ اپنے مشنریوں کو دیں اور دوسرے میرے ذریعہ بھیجیں۔ جب دونوں ٹکڑے ایک دوسرے کے ساتھ فِٹ (FIT) ہو جایا کریں گے تو آپ کے مشنری سمجھ لیں گے کہ آپ نے جو ہدایات ان کو بھیجی ہیں وہ اصلی ہیں۔ اس طرح وہ آپ کی ہدایت پہچان لیا کریں گے۔ اس کا یہ قیاس تو غلط تھا اور میں نے اس کی تردید بھی کی اور کہا کہ ہم اپنی حکومت کے وفادار ہیں۔ مگر جس طرح اس نے کہا تھا کہ ایک ٹکڑا آپ اپنے مشنری کو دے دیں اور دوسرا ٹکڑا مجھے بھجوا دیں جب وہ دونوں ٹکڑے مل جائیں گے تو مشنری سمجھ لے گا کہ آپ نے جو ہدایات بھیجی ہیں وہ اصلی ہیں۔ یہی حالت انسان کی روحانیت کے متعلق ہوتی ہے۔ ایک ٹکڑا کلام الٰہی کا انسان کے دماغ میں ہوتا ہے اور دوسرا ٹکڑا نبی کے پاس ہوتا ہے جب وہ دونوں فِٹ ہو جاتے ہیں تو پتہ لگتا ہے کہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر فٹ نہ ہوں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ایسا کلام پیش کرنے والا دھوکا باز ہے۔

کتابِ مبین اور کتابِ مکنون کا اتحاد

غرض روحانی ترقیات کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہی تعلیم نازل ہو جو روحانی قابلیتوں کے مشابہ ہو۔ پس اس طرح ایک رنگ میں کلام الٰہی انسانی دماغ میں بھی موجود ہوتا ہے۔ لیکن وہ مخفی ہوتا ہے اور اس کا ابھارنا ایک کتاب واضح کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کا نام اسی جہت سے کتاب مبین آیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ **قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ** [۵۰] اے لوگو! تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور اور واضح کتاب آچکی ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

پس روحانی قابلیتیں بمنزلہ زمین کے پانی کے ہیں جو آسمانی پانی کے قرب کے ساتھ اونچا

ہوتا ہے۔ اور جس طرح بارش نہ ہونے پر کنوؤں کے پانی سوکھنے لگتے ہیں اسی طرح الہام کے نازل نہ ہونے پر فطرت کا سرچشمہ خشک ہونے لگتا ہے۔ پس باوجود اس کے کہ فطرت میں کلام مخفی طور پر موجود ہے وہ آسمانی پانی کی عدم موجودگی میں گدلا اور خراب ہو جاتا ہے اور اس پر بھروسہ کرنا کافی نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب آسمانی پانی نازل ہو تو دونوں ایک دوسرے پر گواہ ہوتے ہیں۔ آسمانی پانی فطرت کے پانی کی صفائی کی گواہی دیتا ہے اور فطرت کا پانی آسمانی پانی کی صفائی پر گواہی دیتا ہے۔ گویا وہ ایک چیز کے دو ٹکڑے ہیں کہ دونوں مل کر ایک وجود پورا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایک ٹکڑا انسان کے دماغ میں اس لئے رکھا ہے کہ جب آسمانی پانی نازل ہو تو فطرتِ **صحیحہ** اس کے لئے بطور شاہد ہو۔ پس کتابِ مبین اور کتابِ مکنون کا اتحاد کتابِ مبین اور کتابِ مکنون دونوں کی سچائی پر شاہد ہوتا ہے۔ اور دھوکے بازوں کے دھوکا سے بچاتا ہے اور ان میں آپس میں ایسا ربط ہے کہ جب ایک قریب ہو تو دوسری خود بخود قریب ہونے لگتی ہے۔ الہام ہو تو فطرت ابھرنے لگتی ہے جیسا کہ سورۃ انعام میں بطور کلام الٰہی کی تمثیل کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ** [۵۱] یعنی الٰہی کلام کی مثال پانی کی طرح ہے۔ جس طرح پانی نازل ہونے سے سبزیاں اگنے لگتی ہیں اسی طرح کلام الٰہی کے نازل ہونے سے ہر قسم کی قابلیتوں میں اُبھار شروع ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اپنے جوہر کو ظاہر کرنے لگتی ہیں۔ اسی طرح فطرت کے اُبھرنے سے بھی کلامِ الٰہیہ کھنچ آتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے **مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ** اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں لیمپ ہو اور لیمپ چمکدار گلوب میں ہو جو ستارہ کی طرح چمکے۔ جس کی وجہ سے اس کی روشنی کا فوکس فائدہ اٹھانے والوں پر پڑ رہا ہو۔ **یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ**

مُّبٰرَکَةٍ زَیْتُوْنَةٍ اور اس میں اعلیٰ درجہ کا مصفّٰی تیل زیتون کے مبارک شجر کا ہو۔ لَا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ اور وہ شجر ایسا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔ یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ ایسا تیل اپنی اعلیٰ درجہ کی صفائی کی وجہ سے قریب ہو کہ بغیر آگ کے آپ ہی آپ روشن ہو جائے۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ اس لئے کہ جب اس تیل یعنی فطرتِ صحیحہ میں ایسی جلا پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا نور جو اس فطرتی نور کو روشن کر دینے کی وجہ سے نار سے مشابہ بھی ہے نازل ہو جاتا ہے اور آسمانی نور زمینی نور سے آکر مل جاتا ہے۔

اب دیکھو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح کھول کر بیان فرما دیا ہے کہ فطرت کا نور جب کامل جِلا پا جائے اور ایسا مصفّٰی ہو جائے کہ گویا خود ہی جل اٹھنے والا ہو تو اس وقت وہ آسمانی نور کو جذب کر لیتا ہے یعنی موردِ الہام ہو جاتا ہے۔ پس یہ کہنا کہ کامل اور مصفّٰی دماغ آپ ہی تعلیم کو معلوم کرے گا درست نہیں۔ اگر وہ کامل ہے تو الہام خود بخود اس پر نازل ہو گا۔ اور اگر وہ ناقص ہے تو پھر تعلیم بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

غرض اس آیت میں روحانی طاقتوں اور ان کے ارتقاء کے مسئلہ پر سیر کن بحث کی گئی ہے۔ جس پر عقل اور مشاہدہ دونوں شاہد ہیں۔ اور یہ بحث دنیا کی اور کسی کتاب میں نہیں مل سکتی۔

آگے بتایا کہ یہ نور کہاں ہے؟ فرماتا ہے۔ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ [۵۲] یہ نور ایسے گھروں میں ہے جن کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ انہیں اونچا کیا جائے گا اور حکومت دی جائے گی۔ گویا نور سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ انہیں دنیا کا بادشاہ بنا دیا جائے گا۔

پس بے شک انسانی فطرت میں بھی نور ہے اور وہ خدا کے نور کے مشابہ ہے مگر قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک فطرت جِلا پا جائے یعنی اس قدر مکمل ہو جائے کہ الہام پانے کی طاقت اس میں پیدا ہو جائے تو آسمان سے الہام اس پر نازل ہوتا ہے گویا انسانی فطرتِ صحیحہ الہام کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔ جب فطرت کامل ہو جائے تو ضرور ہے کہ الہام نازل ہو۔ لیکن اگر الہام نازل نہیں ہوتا تو فطرت کامل نہیں ہو گی۔ پس بغیر الہامِ الٰہی کے کام نہیں کیا جا سکتا۔

روحانی طاقتوں کی تکمیل کیلئے کامل تعلیم

(۳) تیسری چیز جس کا بیان کرنا ایک مذہب کیلئے نہایت ضروری ہے۔ وہ ان امور کا بیان کرنا ہے جو روحانی طاقتوں کی تکمیل اور ان کی امداد کیلئے ضروری ہیں۔ یہ مضمون ایسا وسیع ہے کہ اس میں شریعت کے تمام احکام آسکتے ہیں۔ اور مذہب کے تمام اصول اور جزئیات پر بھی اس میں بحث ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ان کی غرض یہی ہوتی ہے کہ روحانی طاقتوں کا ارتقاء ہو۔ لیکن چونکہ اس لیکچر کے یہ مناسب حال نہیں اس لئے میں اختصاراً اس کے متعلق صرف ایک ریویو کر دیتا ہوں کہ اسلام چونکہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ (۱) روح انسانی جسمانی تغیرات کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ جسمانی تغیّرات سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ جیسے فرمایا یٰۤاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۵۳؎

اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور مناسب حال اعمال بجا لاؤ۔ یعنی طیبات کے کھانے سے نیک اعمال کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ اس لئے وہ قرار دیتا ہے کہ مذہب کو ایک حد تک انسان کی غذاؤں اور اس کے کانوں اور اس کی آنکھوں اور اس کی قوتِ حاسّہ پر بھی حد بندی کرنی چاہئے تاکہ معدہ اور حواس کے ذریعہ سے دماغ اور دل پر بد اثرات نہ پہنچیں اور اس کی روح مُردہ نہ ہو اور اس نے اس کے متعلق دو اصول مقرر کئے ہیں۔

اول ضروری اور اصولی امور اس نے خود بتا دیئے ہیں اور ہر مسئلہ کے متعلق تفصیلی احکام دیئے ہیں مگر باوجود اس کے (۲) اس نے تسلیم کیا ہے کہ بعض امور میں انسان کی بدلنے والی ضرورتیں یا مختلف ممالک کے لوگوں کیلئے بدلتے رہنے والے قوانین کی بھی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ زمانہ کے تغیرات کے لحاظ سے ایسی ضرورتیں پیش آسکتی ہیں جن کے متعلق اپنے طور پر قوانین بنانے پڑیں۔ چنانچہ اس کے لئے وہ یہ قاعدہ مقرر فرماتا ہے کہ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ۔ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھَا وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ۔ ۵۴؎ فرمایا۔ اے مومنو! تم آپ ہی آپ یہ سوال نہ کیا کرو کہ ہم فلاں کام کس طرح کریں اور فلاں کس طرح۔ کیونکہ بعض باتیں اللہ تعالیٰ نے جان بوجھ کر اس حکمت کے ماتحت چھوڑ دی ہیں کہ اگر انہیں بیان کر دیا جائے تو وہ تمہارے لئے دائمی طور پر مقرر ہو جائیں گی حالانکہ وہ جانتا ہے کہ آئندہ ان میں تبدیلی کی ضرورت پیش آتی رہے گی۔ پس دوسرا اصل قرآن کریم نے یہ بتایا کہ کامل تعلیم کے

بعد بھی بعض ہدایتوں میں وقتی طور پر تغیر کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ ان کو قرآن نے انسانی عقل پر چھوڑ دیا ہے۔ اور فیصلہ کرنے کا یہ طریق بتا دیا ہے کہ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ [۵۵] یعنی مومنوں کا یہ طریق ہے کہ وہ قومی معاملات کو باہمی مشورہ سے طے کیا کرتے ہیں۔ پس اسلام میں یہ نہیں کہ ہر فرد اپنی اپنی رائے پر چلے بلکہ مشورہ کرنے کے بعد جو بات طے ہو اس پر چلنا چاہئے۔ مگر باوجود ان باتوں کے چونکہ انسان پھر بھی غلطی کر سکتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کیلئے بعض غیبی سامان بھی مہیا کئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ اس نے ملائکہ کو پیدا کیا ہے جن کا کام یہ ہے کہ انسان کو نیکی کے رستہ پر چلاتے رہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ [۵۶] یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی ملائکہ کی ایک جماعت ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کر رہی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کیلئے شریعت نازل کی اور اسے تفصیلی ہدایات دیں۔ مگر پھر بھی انسان چونکہ غلطی کر سکتا ہے اس لئے اس کی حفاظت پر ملائکہ لگا دیئے گئے ملائکہ کے ایسے اعمال کے متعلق باقی کتب خاموش ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ باقی کتب نے ملائکہ کے متعلق تفصیلی بحث کی ہی نہیں۔ بلکہ ایسے رنگ میں بحث کی ہے کہ ایک طبقہ ان کو خدا کی بیٹیاں کہنے لگ گیا۔ دنیا اس امر پر ہنستی ہے مگر تجربہ کار لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان احسانوں میں سے ایک احسان ملائکہ کا وجود ہے مگر یہ موقع اس پر تفصیلی بحث کرنے کا نہیں ہے۔

روحانی نتائج کا اظہار

(۳) تیسرا اصل یہ بتایا کہ چونکہ انسان اگر ایک ہی رنگ میں کام کرتا چلا جائے اور اس کے نتائج نہ دیکھے تو اس کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ اس لئے نتائج کے اظہار کا بھی کوئی طریق ہونا چاہئے۔ سکولوں میں طلباء کا امتحان لینے کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ نتائج دیکھ کر ان کی ہمت بڑھے اور وہ تعلیم میں ترقی کریں۔ اسی رنگ میں خدا تعالیٰ نے روحانی نتائج کے اظہار کے لئے بھی ایک طریقہ بیان فرما دیا۔ چنانچہ فرمایا اُدْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ [۵۷] تم مجھے ساتھ کے ساتھ بلاؤ میں تمہاری پکار سنوں گا۔

غیر مذاہب کا بے اصولا پن

اب یہ تینوں باتیں اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں بھی ملیں گی تو سہی مگر بے اصولے طور پر۔ مثلاً (۱) وہ مذاہب جو احکام دیتے ہیں ان کی حکمت نہیں بتاتے۔ (۲) احکام تو دیتے ہیں مگر ایسے کہ جو انسانی حُریّت کو

کچلنے والے ہیں۔ (۳) دوسری کتابیں بعض احکام تو بیان کرتی ہیں لیکن بے جوڑ۔ یعنی وہ نہ تو یہ بتاتی ہیں کہ جو احکام وہ بیان کرتی ہیں انہیں کیوں بیان کرتی ہیں اور نہ یہ بتاتی ہیں کہ جن کو نہیں بیان کرتیں انہیں کیوں چھوڑتی ہیں۔ دانستہ چھوڑا گیا ہے یا نادانستہ۔ جیسے وید ہیں کہ بڑے بڑے اہم امور کے متعلق کچھ بیان نہیں۔ حتیٰ کہ قصاص اور عفو اور محرمات تک کے متعلق بھی کوئی حکم نہیں۔ انجیل نے تو غضب کیا ہے کہ ایک طرف تو وہ شریعت کو لعنت قرار دیتی ہے اور دوسری طرف احکام بھی دیتی ہے۔ حالانکہ اگر یہ درست ہے کہ شریعت لعنت ہے تو چاہئے تھا کہ انجیل میں کوئی بھی حکم نہ ہوتا۔ مگر حکم ہیں۔ جیسا کہ متی باب ۵ آیت ۳۲ میں آتا ہے:۔

پھر میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے۔ وہ اس سے زنا کراتا ہے۔ اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔ [۵۸]

اگر شریعت لعنت ہے تو معلوم نہیں اس لعنت سے لوگوں کو کیوں حصہ دیا گیا ہے۔ اور اگر کہو کہ شریعت لعنت نہیں بلکہ رحمت ہے تو باقی ضروری باتیں کیوں چھوڑ دی گئیں۔ وہ بھی بتادی جاتیں۔ غرض ان مذاہب نے ایک بے جوڑ سی بات کر دی ہے۔ کہیں کوئی بات چھوڑ دی اور یہ نہ بتایا کہ جن احکام پر خاموشی اختیار کی ہے ان پر خاموشی کیوں اختیار کی ہے اور کہیں بیان کر دی اور اس کی حکمت نہ بتائی۔ مگر قرآن اصولی بات کہتا ہے۔ جو حکم دیتا ہے اس کی حکمت بتاتا ہے۔ اور جن احکام کو اس نے چھوڑا ہے ان کی وجہ بھی بیان کر دی ہے مگر دوسری کتابوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ ویدوں میں بہن بھائی کی شادی کی کہیں ممانعت نہیں ہے۔ لیکن ویدوں کے ماننے والے اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔

قرآنی تعلیم کے مکمل ہونے کا ایک واضح ثبوت

میں ان روحانی ہدایت ناموں کی پرکھ کے متعلق ایک موٹا نسخہ بتاتا ہوں۔ ہر ایک کتاب جو قرآن کریم کے سوا ہے اس میں جو مسائل بیان ہوئے ہیں ان کے علاوہ ضرور ایسے مسائل نکلیں گے کہ جن پر عمل کرنے کو اخلاقی بُرائی سمجھا جائے گا۔ لیکن ان کی ممانعت اس کتاب میں نہیں ملے گی۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کریم میں ایک بھی امر ایسا نہیں جس پر عمل خلاقی بُرائی سمجھا جائے اور اس سے اسلام نے نہ روکا ہو۔ یا اس کے متعلق خاص

طریق عمل کا ارشاد نہ کیا ہو۔ یہ مختصر گر اس کی تعلیم کے مکمل ہونے کا ایک اہم ثبوت ہے۔

عالَم معاد کے متعلق اسلام کی جامع تعلیم

(۴) چوتھا امر جس کے متعلق ہدایت دینا مذہب کا اہم فرض ہے وہ معاد کے متعلق ہے یعنی وہ بتائے کہ مرنے کے بعد انسان کی کیا حالت ہوگی؟ اسلام اس بارہ میں بھی مفصّل بحث کرتا ہے۔ جسے اس موقع پر تفصیلاً تو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن دو آیتیں اس کی تائید میں پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔** [۵۹] یعنی کیا تم لوگ یہ خیال کرتے ہو کہ تمہاری پیدائش عبث اور فضول ہے اور تم لوٹ کر ہماری طرف نہیں آؤ گے۔ یہ آیت زمین اور آسمان کی پیدائش اور احیاء اور اماتت اور اللہ تعالیٰ کی مالکیت کے ذکر کے بعد آئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ انسان میں ہم نے کتنی طاقتیں رکھی ہیں۔ کس طرح زمین اور آسمانوں کو اس کے لئے مسخر کیا۔ اس کے لئے چاند اور سورج پیدا کئے۔ ان کے اثرات رکھے۔ پھر انسان کے اندر قابلیتیں ودیعت کیں۔ کیا یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے کہ انسان دنیا میں کھائے پیئے اور مر کر ختم ہو جائے' یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ انسان کے لئے بہرحال ایک اور زندگی ہونی چاہئے جس میں وہ اپنے اعمال کا جوابدہ ہو اور جو اس کی پیدائش کی غرض کو تکمیل تک پہنچانے والی ہو۔

پھر سورۃ قیامہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ۔** [۶۰] یعنی میں مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہونے کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ اس پر کہا جا سکتا ہے کہ جس چیز کی دلیل دینی تھی اسی کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ مگر ذرا آگے پڑھیں تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ اور معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں قیامت سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ کیونکہ نبی کی بعثت بھی ایک قیامت ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اسی سورۃ میں فرماتا ہے۔ **یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ۔ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ۔ وَخَسَفَ الْقَمَرُ۔ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۔ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ۔** [۶۱] یعنی لوگ پوچھتے ہیں کہ قیامت کا دن کب ہوگا ان سے کہہ دو کہ یہ وہ زمانہ ہوگا جب نظر پتھرا جائیگی۔ یعنی نئے نئے علوم نکلیں گے اور انسان حیران رہ جائیں گے **وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ** اور چاند اور سورج کو گرہن لگے گا۔ اس وقت انسان کہے گا کہ اب میں بھاگ کر کہاں جا سکتا ہوں۔ یہاں قیامت سے مراد

مسیح موعود کا زمانہ ہے اور اسے قیامت کے ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب مسلمانوں کی تباہی اور بربادی انتہا کو پہنچ چکی ہوگی اس وقت خدا تعالیٰ پھر ان کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ یہ پیشگوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے متعلق ہے کہ مسلمان تباہ و برباد ہونے کے بعد پھر ترقی کریں گے اور اس بات کا پورا ہونا بتادے گا کہ قرآن ایسے منبع سے نکلا ہے جہاں سے کوئی بات غلط نہیں نکلتی۔ جب یہ بات پوری ہو جائے گی تو لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ مرنے کے بعد کے متعلق بھی قرآن جو کچھ کہتا ہے وہ بھی ضرور پورا ہوگا۔

دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ انسان کے اندر جو نفسِ لوّامہ رکھا گیا ہے وہ بھی قیامت کا ثبوت ہے۔ انسان جب کوئی گناہ کی بات کرتا ہے تو اس پر اس کا نفس اسے ملامت کرتا ہے۔ ایک چھوٹا بچہ بھی جب جھوٹ بول رہا ہوتا ہے تو سمٹتا اور سکڑتا جاتا ہے کیونکہ نفسِ لوّامہ جو اس کے اندر موجود ہے وہ اسے شرم دلا رہا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یہی نفسِ لوّامہ جس کے نتیجہ میں انسان محسوس کرتا ہے کہ اخلاق کیا ہیں اور بد اخلاقی کیا ہے۔ گناہ کیا ہے اور ثواب کیا ہے۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ قیامت کا بھی ایک دن مقرر ہے ورنہ اس کے اندر ندامت کا یہ احساس کیوں پیدا ہوتا۔ اسی طرح قرآن کریم عذاب اور انعام کی تمام تفصیلات بتاتا ہے اور ان کی حکمتیں بتاتا ہے اور سزا اور اس کی غرض اور انعام اور اس کا مقصد اور طریقِ سزا اور طریقِ انعام غرض ہر ایک پہلو پر مفصّل روشنی ڈالتا ہے جس کی مثال دوسری کتب میں بالکل نہیں ملتی اور اگر ملتی ہے تو ناقص طور پر۔ پس ضرورتِ مذہب کے بیان کرنے میں بھی اسلام دوسرے مذاہب سے افضل ہے۔

خدا تعالیٰ سے اتّصال پیدا کرنے اور روحانی طاقتوں کو تکمیل تک پہنچانے والا مذہب

(۵) اب میں پانچویں بات بیان کرتا ہوں کہ جو ضرورتیں کوئی مذہب پیش کرے اس کا فرض ہے کہ وہ انہیں پورا بھی کرے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں سوائے قرآن کریم کے اور کوئی کتاب پوری نہیں اُترتی۔ صرف قرآن کریم ہی ہے جو اس امر کا مدعی ہے کہ جب تک کوئی مذہب خدا تعالیٰ سے اتّصال پیدا نہیں کراتا اور روحانی طاقتوں کو مکمل نہیں کراتا اور اُخروی بھلائی کی ضمانت اسے نہیں دیتا اس کی خالی تعلیم اسے نفع نہیں پہنچا سکتی۔

چنانچہ وہ اس دنیا سے آواز دیتا ہے کہ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ۶۲؎ یعنی یہ یاد رکھو کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی غرض یہ ہے کہ انسان خدا کو پالے کیونکہ مذہب کا مدعا یہ ہے کہ انسان خدا کو دیکھ لے۔ اور اگر اس دنیا میں خدا کسی کو نظر نہیں آتا تو اگلی دنیا میں بھی نظر نہیں آئے گا۔ خدا کو دیکھنے کی اس دنیا میں بھی ضرورت ہے۔ اگر ایک انسان سب عبادات بجالاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے نظر نہیں آتا تو صاف معلوم ہوا کہ عبادت کا جو اصل مقصد ہے وہ پورا نہیں ہوا۔ اور جو شخص اس دنیا میں خدا کو دیکھنے سے اندھا رہا وہ اگلے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا اور اسے وہاں بھی خدا نظر نہیں آئے گا۔ اَضَلُّ سَبِیْلًا کے معنی یہ ہیں کہ اگلے جہان میں اس کی نابینائی اور بھی بھیانک ہوگی کیونکہ وہاں توبہ کا کوئی موقع نہ ہوگا۔

آخرت سے آواز

پھر وہ آخرت سے آواز دیتا ہے کہ یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ذٰلِکَ ھُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَیْنَھُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاھِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ۔ ۶۳؎ یعنی اس روز تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھے گا کہ ان کا نور ان کے سامنے بھی اور ان کے دائیں طرف بھی بھاگتا جائے گا۔ اس میں بتایا کہ اگلے جہان کی ترقیات بہت جلدی جلدی ہونگی نور تیز تبھی ہوگا جب کہ ساتھ چلنے والے بھی تیز ہونگے۔ وہ نور بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ رہے گا یعنی ان کے دائیں بائیں بھی نور ہوگا اور آگے بھی۔ گویا اس میں ترقیات کی رفتار کی تیزی اور اس تیزی میں مومنوں کے ہم قدم رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ خدا تعالیٰ کے فرشتے انہیں کہیں گے کہ آج تمہارے لئے بشارت ہے۔ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ان جنات اور قسم قسم کے باغوں کی جن میں نہریں بہہ رہی ہیں۔ یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ تم تو دوڑے جارہے ہو ذرا ہمارا بھی انتظار کرو۔ ہم بھی تم سے نور لے لیں۔

اس وقت ان سے کہا جائے گا تمہیں یہاں سے نور نہیں مل سکتا۔ اگر طاقت ہے تو تم پیچھے کی طرف لوٹ جاؤ۔ اور وہیں جاؤ جہاں سے تم آئے ہو اور وہاں جا کر نور کی تلاش کرو۔ اس میں بتایا کہ وہ نور جو اگلے جہان میں کام آئے گا اسی دنیا میں ملتا ہے۔ وہاں جانے کے بعد نہیں ملے گا۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ انسان اسی دنیا میں نیکیاں کرے تب اگلے جہان میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ مگر دیکھو رحمت الٰہی بھی کس قدر وسیع ہے۔ کہا جا سکتا تھا کہ جب دنیا میں کسی کو نور نہیں ملا تو کیا پھر اسے کبھی نور نہ مل سکے گا اور وہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے گا اور اگر اسے نور مل سکتا ہے جس کی طرف **فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا** میں ایک مخفی اشارہ ہے تو کیسے۔ اس کے متعلق فرمایا۔ **فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ**۔ منافقوں اور مومنوں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی۔ اور اس میں ایک دروازہ رکھا جائے گا۔ یہ تو صاف بات ہے کہ جنت والے تو جنت سے باہر نہیں جائیں گے اس لئے یقیناً یہ دروازہ اسی لئے رکھا جائے گا کہ باہر والے اندر آ جائیں۔ پس بتایا کہ گو نور اسی دنیا میں حاصل ہو سکتا ہے لیکن جو اس سے محروم رہیں گے انہیں بعض حالتوں میں سے گذارنے کے بعد معاف کر دیا جائے گا۔ اور وہ اس دروازہ میں سے گذر کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ **بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ** میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ جنّتی حواس اور قوتوں سے ہی دوزخ پیدا ہوتی ہے۔ یعنی حواس حقیقی تو نیک ہی ہیں لیکن ان کے غلط استعمال سے دوزخ پیدا ہوتی ہے۔ غرض اس دعویٰ میں بھی قرآن کریم کے ساتھ اور کوئی کتاب شریک نہیں ہے۔

ایفائے وعدہ کا ثبوت

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اوپر جو کچھ بیان ہوا یہ تو دعویٰ ہے۔ کیا ایفائے وعدہ بھی ہوگا سو اس کے متعلق فرمایا۔ **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔** [۶۴] یعنی اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ کر افتراء کرے۔ یا اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہو سکتا ہے جو اس سچائی کا انکار کر دے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس آئے۔ کیا ایسے کافروں کی جگہ جہنم نہیں ہونی چاہئے؟ ہاں وہ جو ہماری تعلیم قرآن کے مطابق ہم سے ملنے کی کوشش کرتے ہیں ہم قسم کھا

کر کہتے ہیں کہ انہیں ضرور اپنے رستوں کی طرف آنے کی توفیق بخشیں گے اور اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ محسنوں کا ساتھ دیتا ہے۔ اس آیت میں بتایا کہ ایسے لوگ جتنا ہماری طرف چل کر آسکیں گے اتنا اگر چلیں گے۔ تو جب ان کے پیر چلنے سے رہ جائیں گے ہم خود جا کر انہیں لے آئیں گے۔ کیونکہ ہمارا یہ طریق ہے کہ کچھ بندہ آتا ہے اور کچھ ہم اس کی طرف جاتے ہیں۔

یہاں **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا** الخ میں یہ بتایا کہ قرآن خدا پر افتراء نہیں۔ اگر یہ جھوٹ ہوتا تو اس کے بنانے والا عذاب میں مبتلا کیا جاتا۔ پھر **وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا** میں یہ بتایا کہ جھوٹ کوئی اس وقت بولتا ہے جب سچائی سے اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے۔ لیکن جب ہم نے کلام نازل ہونے کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور ہم نے کہہ دیا ہے کہ محسن بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاؤ گے تو کیوں سچی کوشش کر کے سچا کلام حاصل نہ کیا جائے۔ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔

رضائے الٰہی حاصل کرنے والا کامیاب گروہ

اس آیت کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں تو صرف یہ بتایا گیا ہے کہ ہم ایسا کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ کیا خدا تعالیٰ نے ایسا کیا بھی ہے یا نہیں؟ سو اگرچہ اس سوال کا جواب اسی آیت میں آجاتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ سے اتّصال اس کا ہوگا جو مناسب روحانی تکمیل حاصل کر چکا ہو اور وہ جنت بھی پائے گا۔ لیکن علیحدہ علیحدہ بھی ان باتوں کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کامل تعلق رکھنے والے آخر قرآن پر چل کر اپنی مراد کو پہنچ گئے اور انہوں نے جنت پالی۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ **مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا۔ لِّیَجْزِیَ اللّٰہُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِھِمْ وَیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ اِنْ شَآءَ اَوْیَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔** [۱۵] فرمایا۔ ان مومنوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اسے انہوں نے پورا کر دیا۔ **فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا۔** ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنے عہد کو پورا کر دیا اور وہ خدا سے مل گئے۔ **نَحْب** کے معنی نذر اور **مَا اَوْجَبَ عَلٰی نَفْسِہٖ** کے بھی ہوتے ہیں۔ پس اس سے مراد **مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ**

اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[۶۶] کے عہد کو پورا کرنے کے ہیں۔ لیکن فرماتا ہے۔ بعض ایسے بھی ہیں جو ابھی اس خلش میں لگے ہوئے ہیں کہ خدا سے مل جائیں۔ انہوں نے اپنی طرف سے جدوجہد کرنے میں کوئی کمی نہیں کی۔ سو خدا ایسے صادقوں کو بھی ان کے صدق کا ضرور بدلہ دے گا۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ قرآن نے یہ امر تسلیم کیا ہے کہ محمد ﷺ کی امت میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو قرآن پر چل کر خدا کو مل گئے۔

ملائکہ سے مؤمنوں کا تعلق

پھر ملائکہ چونکہ اخلاق فاضلہ کی محرک ہستیاں ہیں۔ اس لئے مزید ثبوت کے لئے فرمایا کہ ان کی روحانی درستی کی علامتیں بھی ظاہر ہونے لگتی ہیں اور روحانی تکمیل کے مؤکل ان سے ملنے لگتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ۔[۶۷]

یعنی وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر استقامت سے قائم رہتے ہیں یعنی اپنے اعمال سے اس کا ثبوت دیتے ہیں۔ ہم ان پر فرشتے نازل کرتے ہیں جو انہیں کہتے ہیں ڈرو نہیں اور نہ کسی پچھلی غلطی کا غم کرو۔ تمہیں جنت کی بشارت ہو۔ تم خدا سے جا ملو گے اور وہاں تمہیں وہ چیز مل جائیگی جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تمہارے مددگار ہوں گے اور تم اس دنیا میں اور اگلے جہان میں جو کچھ چاہو گے اور جو کچھ مانگو گے وہ تمہیں مل جائے گا۔ اس میں بتایا کہ تمہاری قلبی اصلاح بھی ہو جائیگی اور عملی بھی۔ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کے متعلق فرمایا کہ اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ[۶۸] تم جو چاہو کرو۔ یعنی اب تم بدی کر ہی نہیں سکتے۔ اسی طرح یہاں بھی یہی مراد ہے کہ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ تمہارے نفس ایسے پاکیزہ ہو گئے ہیں کہ اب جو کچھ تم چاہو گے پاک چیز ہی چاہو گے۔ یعنی تمہارے دل میں نیک تحریکیں ہی ہونگی بُری نہیں ہونگی۔ اور ہمیشہ پاک چیزیں ہی مانگو گے بُری نہیں مانگو گے۔

اب سوال ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ پچھلے زمانہ پر ہی ختم ہو گیا یا آگے بھی اس کا سلسلہ جاری رہے گا۔ سو اس کا جواب بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ یعنی وہی خدا ہے جس نے ایک ان پڑھ قوم کی طرف اسی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا جو ان کو خدا کے احکام سنتا اور ان کو پاک کرتا اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے گو وہ اس سے پہلے بڑی بھاری گمراہی میں مبتلا تھے۔ اسی طرح ان لوگوں کے سوا اللہ تعالیٰ ایک دوسری قوم میں بھی اس رسول کو بھیجے گا جو ابھی تک ان سے ملی نہیں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ جو کچھ اس رسول کے زمانہ میں ہوا وہی اس زمانہ میں بھی ہوگا اور یہ سلسلہ جاری رہے گا بند نہ ہوگا۔

فائدہ کی شدت کے لحاظ سے قرآن کریم کی فضیلت

(۴) فضیلت کی ایک اور وجہ فائدہ کی شدت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ یعنی گو فائدہ تو اور چیزوں میں بھی ہوتا ہے مگر جس چیز کا فائدہ اپنی شدت میں بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے اسے دوسروں پر فضیلت دی جاتی ہے۔ قرآن کریم کے متعلق جب ہم یہ بات دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو اس بارے میں بھی فضیلت حاصل ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ۔[۶۹] یعنی اے مسلمانو! تم ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگتے رہو کہ اے اللہ! ہمیں سیدھا رستہ دکھا اور اس رستہ پر چلا جس پر چل کر پہلے لوگوں نے تیرے انعامات حاصل کئے۔ گویا جس قدر انعامات تُو نے پہلے لوگوں پر کئے ہیں وہ سب کے سب ہم پر بھی کر۔ اور پہلے لوگوں کے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔[۷۰] یعنی وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہداء کا درجہ پانے والے ہیں۔ اس آیت میں بتایا کہ تمام امتوں میں شہداء اور صدیقوں کا دروازہ کھلا تھا۔ مگر جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا وہاں فرمایا۔ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓىٕكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓىٕكَ رَفِیْقًا۔[۷۱] یعنی وہ لوگ جو اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل ہونگے جن پر خدا تعالیٰ کے انعامات نازل ہوئے یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین میں۔ گویا پہلے نبیوں کی اطاعت سے تو

صرف صدیق اور شہداء بنتے تھے مگر اس نبی کی اطاعت سے نبوت کا درجہ بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے یہ نہیں کہا کہ ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے نبوت ملی ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس بات پر زور دیا اور بار بار اس کا اعلان کیا کہ مجھے محض رسول کریم ﷺ کی غلامی میں درجہ نبوت حاصل ہوا ہے۔

انبیاء اور صدّیقین وغیرہ کی معیّت کا مفہوم

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہاں مَعَ الَّذِيْنَ آیا ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ اور اس رسول کی اطاعت سے کوئی نبی بن سکتا ہے بلکہ یہ ہے کہ قیامت کے دن اسے انبیاء کی معیت حاصل ہوگی۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اگر نبی بننے کی نفی کی جائیگی تو اس کے ساتھ ہی صدیق، شہید اور صالح بننے کی نفی بھی کرنی پڑے گی۔ اور یہ ماننا پڑے گا کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ امت محمدیہؐ میں اب کوئی صدیق، شہید اور صالح بھی نہیں بن سکتا۔ لیکن اگر صالحیت، شہادت اور صدّیقیّت کا مقام حاصل ہو سکتا ہے تو پھر نبوت کا انعام بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس پر یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کریم کا کوئی لفظ حکمت کے بغیر نہیں ہے تو پھر یہاں مَعَ کا لفظ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ جیسا کہ دوسری جگہ مَعَ الَّذِيْنَ نہیں رکھا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ وہ صدیق اور شہید ہونگے۔ اسی طرح یہاں بھی کہا جا سکتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مَعَ رکھ کر اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اس رسول کی اطاعت کرنے والے صرف صدیق ہی نہیں ہونگے بلکہ سب امتوں کے صدیقوں کی خوبیاں ان میں آ جائینگی۔ صرف شہید ہی نہیں ہونگے بلکہ پہلے سب شہیدوں کی صفات کے جامع ہونگے۔ صرف صالح ہی نہیں ہونگے بلکہ پہلے صالحین کی سب خوبیاں اپنے اندر رکھتے ہوں گے اسی طرح جو نبی آئے گا وہ پہلے سب نبیوں کی خوبیوں اور کمالات کا بھی جامع ہوگا۔ پس مَعَ نے رسول کریم ﷺ کی اطاعت کے نتیجہ کو بڑھا دیا ہے گھٹایا نہیں۔ اور بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے جو مرتبہ حاصل ہوتا ہے وہ پہلے لوگوں کے مراتب سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔

ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک کلام

(۵) ایک اور وجہ فضیلت یہ ہوتی ہے کہ جو چیز پیش کی جائے اس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو۔ قرآن کریم کی فضیلت اس لحاظ سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ایک آیت ہے جس کے متعلق لوگ بحث کرتے رہتے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ آج میں یہ بتاتا ہوں کہ وہ اپنے مطالب کے

لحاظ سے کیسی ضروری اور اہم ہے۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ **ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْهِ** ۔ ۲؎ صرف یہی ایک کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں باقی سب میں ملاوٹ ہے۔ تورات کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا ایک ایک لفظ خدا کا ہے بلکہ اس میں ایک جگہ تو یہاں تک لکھا ہے کہ

"خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مرگیا۔ اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیتِ فغور کے مقابل گاڑا۔ پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا۔" ۳؎

اسی طرح انجیل کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا لیکن قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے بندے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ پس موٹی اور واضح ضرورت اس آیت کی یہی ہے کہ اس میں دنیا کو یہ بتایا گیا ہے کہ باقی کتابوں میں کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں لیکن صرف یہی ایک کتاب ہے جس میں کوئی ملاوٹ نہیں۔

ممکن ہے کوئی کہے کہ یہ تو قرآن کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے جو اُس وقت کیا گیا ہے جب قرآن نازل ہوا۔ اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ بعد میں بھی اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہو سکی۔ سو اس کے متعلق فرماتا ہے۔ **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ** ۴؎ ہم نے ہی اس قرآن کو اُتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ گویا آئندہ کے متعلق بھی ہم اس بات کا ذمہ لیتے ہیں کہ کوئی شخص اس میں تغیّر و تبدّل نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اب تک اس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف اسی شکل میں محفوظ ہے جس شکل میں وہ رسول کریم ﷺ پر نازل ہوا تھا۔

ربوبیت عالمین کا بلند تصور

(۶) فضیلت کی چھٹی وجہ یہ ہوا کرتی ہے کہ کوئی چیز اپنی ہو۔ کیونکہ اپنی چیز ہمیشہ دوسروں کی چیزوں سے پیاری لگتی اور افضل نظر آتی ہے۔ قرآن کریم کو جب ہم اس نکتہ نگاہ سے دیکھتے ہیں تو وہ بھی اپنی چیز نظر آتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم نے **رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ** کا خیال لوگوں میں پیدا کیا اور اس طرح قومی خداؤں کا تصوّر باطل کیا۔ بائیبل پڑھ کر دیکھو تو اس میں اس طرح ذکر آتا ہے کہ بنی اسرائیل کا خدا۔ تیری قوم کا خدا۔ فلاں قوم کا خدا۔ ویدوں کو پڑھ کر دیکھو تو برہمنوں کا خدا الگ معلوم ہوتا ہے اور دوسروں کا الگ۔ مگر قرآن کی ابتداء ہی **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ**

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے ہوتی ہے۔ اس طرح دنیا کو یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ساری دنیا کے رب کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے اور سب کو اپنی طرف بلاتی ہے۔ غرض اسلام نے سب لوگوں کو جو علیحدہ علیحدہ تھے ماں کی طرح اکٹھا کیا اور کہہ دیا کہ ایک خدا کے پاس آ جاؤ۔ پہلے لوگوں میں شرک پیدا ہونے کی یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ الگ الگ خدا سمجھتے تھے۔ ہندو کہتے تھے کہ ہمارا خدا ایسا ہے یہود کہتے تھے ہمارا خدا ایسا ہے پارسی کہتے تھے کہ ہمارا خدا ایسا ہے۔ پھر بعض لوگوں نے کہا کہ چلو سب کے خداؤں کو پُوجو تا کہ سب سے فائدہ حاصل ہو۔ اس طرح شرک پیدا ہو گیا۔ مگر اسلام نے بتایا کہ مومن اور کافر سب کا خدا ایک ہی ہے۔ اور اسلام کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ یعنی اسلام کا چراغ ایک ایسے برکت والے تیل سے جلایا جا رہا ہے جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی۔ ہر قوم اور ہر زمانہ کیلئے ہے۔ سب کیلئے اس میں ترقیات کے دروازے کھلے ہیں۔ اس طرح اسلام نے قومیت کے امتیاز کو مٹا دیا اور بڑائی کا معیار یہ رکھا کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ [۵] اسلام میں بڑائی کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ خواہ کوئی کیسی ہی ادنیٰ قوم کا فرد ہو اگر وہ متقی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ہے۔ پس اسلام نے ذات پات کو مٹا دیا اور مختلف مذاہب کے نتیجہ میں جو تفرقے پیدا ہوتے تھے' ان کو دور کر دیا۔

دوستوں کو چاہئے کہ قرآن کریم کو اپنا دستور العمل بنائیں

میں نے فضیلت قرآن کی ۲۶ وجوہات میں سے اِس وقت صرف چھ کا ذکر کیا ہے اور ان کی بھی ایک ایک مثال دی ہے۔ خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو باقیوں کے متعلق پھر بحث کرونگا۔ فی الحال اسی پر بس کرتا ہوں۔ اور دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ایسی افضل اور بے نظیر کتاب پر عمل کرنے اور اس کے احکام کو حرزِ جان بنانے کی کوشش کرو۔ اس وقت میں قرآن کریم کے جن مطالب کو واضح کر سکا ہوں ان کے مقابلہ میں اور کوئی کتاب ایسے مطالب پیش نہیں کر سکتی۔ دوستوں کو چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی اس کتاب کی طرف خاص طور پر توجہ کریں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر کسی انسان کے پاس بہتر سے بہتر چیز ہو لیکن وہ استعمال نہ کرے تو اسے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کنواں موجود ہو لیکن ہم پانی نہ پیئیں تو کس طرح پیاس بجھ سکتی ہے۔ پس یہ اعلیٰ درجہ کی کتاب جو تمہارے پاس موجود ہے یہ اسی صورت میں مفید ہو سکتی ہے جب کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

پس اپنے اندر تغیر پیدا کرو اور اپنی اصلاح کی کوشش کرو۔ اور ہر معاملہ میں قرآن کریم کی اقتداء کرو تاکہ قرآنی حسن دنیا پر نمایاں ہو۔ اور انہیں بھی اس پاک کتاب کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی طرف توجہ پیدا ہو کیونکہ اس کے بغیر اور کہیں نور اور ہدایت نہیں۔

۱؎ النور:۳۶ تا ۳۹ ۲؎ الشعراء:۱۹۳ تا ۱۹۵ ۳؎ الزمر:۲۴

۴؎ القلم:۴۵ ۵؎ الشعراء:۶ ۶؎ البقرۃ:۱۰۷

۷؎ استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لندن مطبوعہ ۱۸۸۷ء

۸؎ المزّمّل:۱۶

۹؎ یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۲، ۱۳ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۰۶ء

۱۰؎ المائدۃ:۴ ۱۱؎ ھود:۱۸

۱۲؎ بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۳؎ العلق:۲ تا ۶

۱۴؎ پیدائش باب ۱ آیت ۱، ۲ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لندن مطبوعہ ۱۸۸۷ء

۱۵؎ یوحنا باب ۱ آیت ۱، ۲ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لندن مطبوعہ ۱۸۸۷ء

۱۶؎ متی باب ۱۲ آیت ۲۶ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لندن مطبوعہ ۱۸۸۷ء

۱۷؎ صٓ:۶ ۱۸؎ الزمر:۴ ۱۹؎ الواقعۃ:۸۰

۲۰؎ الانبیاء:۸۸

۲۱؎ تفسیر ابن عربی جلد ۲ صفحہ ۸۸ مطبوعہ بار دوم بیروت ۱۹۷۸ء

۲۲؎ فتوحاتِ مکیہ (مؤلفہ حضرت محی الدین ابن عربی) جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ مصر

۲۳؎ فاطر:۲ ۲۴؎ الشعراء:۱۹۳ ۲۵؎ الفرقان:۶۱

۲۶؎ ابراھیم:۵ ۲۷؎ ھود:۹۲ ۲۸؎ الزخرف:۲۱

۲۹؎

۳۰؎

۳۱؎

۳۲؎

۳۳؎ استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸، ۱۹ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن مطبوعہ ۱۸۸۷ء

۳۴؎ الجمعة:۲ تا ۵ ۳۵؎ الانعام:۱۰۹ ۳۶؎ الانعام:۱۰۹

۳۷؎ متی باب ۱۲ آیت ۴۶ تا ۵۰ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۰۶ء

۳۸؎ The Hymns of the Rigveda VOL:1 Book IV Hymn XVIII, P.416 Benares, 1920.

۳۹؎ الرّحمٰن:۱۴ ۴۰؎ الرّحمٰن:۲۷، ۲۸ ۴۱؎ الملک:۲، ۳

۴۲؎ الانعام:۱۰۳، ۱۰۴ ۴۳؎ المؤمن:۶۵ ۴۴؎ الشعراء:۱۹۳ تا ۱۹۷

۴۵؎ الزخرف:۲۱ ۴۶؎ الفرقان:۶۱ ۴۷؎ الفرقان:۶۲، ۶۳

۴۸؎ بنی اسرآئیل:۸۶ تا ۹۰ ۴۹؎ الواقعہ:۷۸، ۷۹ ۵۰؎ المائدة:۱۶

۵۱؎ الانعام:۱۰۰ ۵۲؎ النور:۳۷ ۵۳؎ المؤمنون:۵۲

۵۴؎ المائدة:۱۰۲ ۵۵؎ الشوریٰ:۳۹ ۵۶؎ الرعد:۱۲

۵۷؎ المؤمن:۶۱

۵۸؎ متی باب ۵ آیت ۳۲ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور مطبوعہ ۱۹۲۲ء (مفہوماً)

۵۹؎ المؤمنون:۱۱۶ ۶۰؎ القیٰمة:۲ تا ۴ ۶۱؎ القیٰمة:۷ تا ۱۱

۶۲؎ بنی اسرآئیل:۷۳ ۶۳؎ الحدید:۱۳، ۱۴ ۶۴؎ العنکبوت:۶۹، ۷۰

۶۵؎ الاحزاب:۲۴، ۲۶ ۶۶؎ الذّٰریٰت:۵۷ ۶۷؎ حٰمٓ السجدة:۳۱ تا ۳۳

۶۸؎ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ مصر ۱۳۱۳ھ

۶۹؎ الفاتحة:۶، ۷ ۷۰؎ الحدید:۲۰ ۷۱؎ النّسآء:۷۰

۷۲؎ البقرة:۳

۷۳؎ استثناء باب ۳۴ آیت ۵، ۶ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن مطبوعہ ۱۸۸۷ء

۷۴؎ الحجر:۱۰ ۷۵؎ الحجرات:۱۴